ستمبر ۱۹۹۲ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

○ "اَطِیعُوا اللہَ وَاَطِیعُوا الرَّسُولَ" کا مفہوم

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا درس قرآن

○ ترکی میں خلافت کا خاتمہ اور پاکستان میں اس کا احیاء

امیر تنظیم اسلامی کی ایک تازہ تحریر

یکے از مطبوعات

تنظیم اسلامی

اعلان داخلہ

---(۱)---

برائے بی اے کلاس ——— قرآن کالج لاہور

ایف۔ایس سی' ایف۔اے اور آئی۔کام پاس طلبہ سے قرآن کالج کی بی۔اے کلاس کے تربیتی سال میں داخلہ کی درخواستیں مطلوب ہیں۔ رزلٹ کے منتظر طلبہ بھی درخواستیں دے سکتے ہیں۔

- داخلہ فارم وصول کرنے کی آخری تاریخ ۲۴ ستمبر ۱۹۹۲ء ہے۔
- انٹرویو کی تاریخ سے بذریعہ ڈاک مطلع کر دیا جائے گا۔
- بیرون لاہور سے تعلق رکھنے والے طلبہ کے لئے ہوسٹل کی سہولت موجود ہے۔

تفصیلات کے لئے ۱۰ روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر پراسپکٹس طلب کریں۔

---(۲)---

برائے ایک سالہ دینی کورس

گریجویٹ اور پوسٹ گریجویٹ اصحاب سے قرآن اکیڈمی لاہور کے مرتب کردہ ایک سالہ دینی کورس کے سمسٹر اول میں داخلہ کے لئے درخواستیں مطلوب ہیں۔ استثنائی صورتوں میں انڈر گریجویٹ اصحاب کو بھی داخلہ دیا جا سکتا ہے۔

- داخلہ فارم وصول کرنے کی آخری تاریخ ۲۴ ستمبر ۱۹۹۲ء ہے۔
- انٹرویو کی تاریخ کی اطلاع بذریعہ خط بھجوائی جائے گی۔
- بیرون لاہور رہائش پذیر اصحاب کے لئے ہوسٹل کی سہولت موجود ہے۔

تفصیلات کے لئے ۱۰ روپے کے ڈاک ٹکٹ بھیج کر پراسپکٹس طلب کریں۔

المعلن: پروفیسر بختیار حسین صدیقی
پرنسپل قرآن کالج لاہور
A-۱۹۱ اتاترک بلاک نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

27/16/36

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے مانا اور اطاعت کی۔

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

جلد:	۴۱
شمارہ:	۹
ربیع الاوّل	۱۴۱۳ھ
ستمبر	۱۹۹۲ء
فی شمارہ	-/۵
سالانہ زر تعاون	-/۵۰

ادارہ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن
حافظ عاکف سعید
حافظ خالد محمود خضر

سالانہ زر تعاون برائے بیرونی ممالک

سعودی عرب، کویت، مسقط، بحرین، قطر، متحدہ عرب امارات — ۲۵ سعودی ریال
ایران، ترکی، اومان، عراق، بنگلہ دیش، الجزائر، مصر، انڈیا۔ ۶۔ امریکی ڈالر
یورپ، افریقہ، سکنڈے نیوین ممالک، جاپان وغیرہ۔ ۹۔ امریکی ڈالر
شمالی و جنوبی امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ وغیرہ۔ ۱۲۔ امریکی ڈالر

ترسیل زر: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور
یونائیٹڈ بینک لیمٹڈ۔ ماڈل ٹاؤن فیروز پور روڈ۔ لاہور (پاکستان)

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقام اشاعت: ۳۶۔ کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰۔ فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

یکے از مطبوعات تنظیم اسلامی، مرکزی دفتر: ۶۷۔ اے، علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور

پبلشر: لطف الرحمٰن خان، طابع: رشید احمد چودھری، مطبع: مکتبہ جدید پریس پرائیویٹ لمیٹڈ

مشمولات

عرض احوال ———— ۵

حافظ عاکف سعید

تذکرہ وتبصرہ ———— ۹

ترکی میں خلافت کا خاتمہ اور پاکستان میں اس کا احیاء

امیر تنظیم اسلامی کی ایک تازہ تحریر

بحث ونظر ———— ۱۸

صرف وعظ ونصیحت اور تعلیم وتلقین یا کچھ اور بھی ؟

ایک مغالطہ آمیز مضمون کا فکر انگیز جواب

الہدیٰ ———— ۲۷

اعراض عن الجہاد کی پاداش : نفاق

سورۃ المنافقون کی روشنی میں (۲)

ڈاکٹر اسرار احمد

درس قرآن ———— ۳۹

"اَطِیعُوا اللّٰہَ وَاَطِیعُوا الرَّسُولَ" کا مفہوم

اطاعت رسولؐ کے مختلف پہلو

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کا درس قرآن

کتابیات ———— ۵۹

گناہ کبیرہ : والدین کی نافرمانی

ابوعبدالرحمٰن شبیر بن نور

ایک مجاہد کا خط ایک درویش کے نام ———— ۶۷

مولانا اخلاق حسین قاسمی

رفتار کار ———— ۷۱

تنظیم اسلامی لاہور کے رفقاء کا دو روزہ دعوتی وتربیتی پروگرام

تنظیم اسلامی حلقہ شرقی پنجاب کی دعوتی وتحریکی سرگرمیاں

[library stamp]

عرض احوال

ملکی و ملی حالات کے بارے میں
تنظیم اسلامی اور اس کے امیر کا نقطۂ نظر
امیر تنظیم اسلامی کے خطاباتِ جمعہ کی روشنی میں

ترکی کے سات روزہ دورے سے امیرِ تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی واپسی جمعرات ۶ر اگست کو ہوئی تھی۔ اس سے اگلے روز جمعہ کے خطاب میں دورۂ ترکی کے تاثرات ہی موضوعِ گفتگو تھے۔ یہ دورہ اس اعتبار سے اہم تھا کہ امیرِ تنظیم کے لئے ترکی کے سفر کا یہ پہلا موقع تھا۔ پھر وہاں بوسنیا کے بعض نمائندہ افراد سے بھی ملاقات ہوئی اور اس طرح وہاں کے حالات کو براہ راست جاننے کا موقع ملا۔ اس دورے کے تاثرات پر مشتمل خطاب مکمل صورت میں ندائے خلافت کے ۲۴ر اگست کے شمارے میں شائع ہوچکا ہے۔ یہاں ہم اس خطاب کا خلاصہ جو پریس ریلیز کی صورت میں اخبارات کو ارسال کیا گیا' درج کئے دیتے ہیں:

> لاہور: ۷ر اگست۔ امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ ترکی مسلمان ملکوں میں واحد ملک ہے جس کا آئین غیر مبہم الفاظ میں اسے ایک سیکولر ریاست قرار دیتا ہے' لیکن یہ کھلی لادینیت شاید اس منافقت سے بہتر ہے جو پاکستان میں رائج ہو کر رہ گئی ہے۔ وہ مسجد دارالسلام باغ جناح کے اجتماع جمعہ میں اپنے دورۂ ترکی کے تاثرات بیان کررہے تھے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے بتایا کہ سیکولرازم ترکی کے آئین کی وہ دفعہ ہے جو پارلیمنٹ کی سو فی صد اکثریت سے بھی تبدیل نہیں ہوسکتی اور جس کے تحفظ کی براہِ راست ذمہ داری فوج پر ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہودیوں کی ایک ناقابل ذکر تعداد کو وہاں بھی ملکی معیشت پر نظر نہ آنے والی اجارہ داری حاصل ہے جسے بنیادی طور پر صارفین کی مارکیٹ بنا دیا گیا ہے۔ اشیائے صرف کی بے قید درآمد اور معیار زندگی کو مغرب کے معیار

لانے کے شوق نے جسے حکومت کی حوصلہ افزائی بھی حاصل ہے، ترکی کو بدترین افراط زر سے دوچار کر رکھا ہے اور ترکی لیرا اپنی قیمت بالکل کھو چکا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے بتایا کہ یورپ کا حصہ بننے اور یورپی مشترکہ مارکیٹ میں شامل کئے جانے کی غرض سے ترک حکومت کسی بھی انتہا تک جانے کو تیار ہے لیکن ادھر سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ اسلام کو مکمل طور پر دیس نکالا دو، تب ہم تم سے بات آگے بڑھائیں گے۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ حکومت کی سطح پر تو یہ فرمائش پوری کی جارہی ہے بلکہ پوری کی جاچکی ہے لیکن مسلمان عوام بالخصوص نچلے طبقے سے تعلق رکھنے والے ترکوں کے دلوں سے اسلام کو کھرچنا کسی کے لئے بھی ممکن نہیں! تاہم ان حلقوں میں دین اسلام کے تصور کے مقابلے میں مذہب اسلام کا تصور زیادہ پھیل رہا ہے جس میں تصوف کی آمیزش نے جمود بھی پیدا کر دیا ہے۔ اسلام کے لئے وہاں کسی توانا آواز کا اٹھنا آسان نہیں اور ظاہر ہے کہ دوسرے مسلمان ملکوں کی طرح وہاں بھی کہنے سننے کی وہ آزادیاں نہیں جو ہمیں پاکستان میں میسر ہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے ترکان عثمانی کے شاندار ماضی پر روشنی ڈالی اور بتایا کہ آج بھی استنبول میں سینکڑوں سال پہلے تعمیر شدہ ایسی مساجد درجنوں کی تعداد میں موجود ہیں جن کی نظیر دنیا کے کسی اور خطے میں نہیں مل سکتی۔

امیر تنظیم اسلامی نے اس خدشے کا اظہار کیا کہ بعض اطلاعات کے مطابق یہودی اور ان کی تنظیم فری میسن جس کا ترکی کے اعلیٰ طبقے پر پورا تسلط ہے، اب احیائے خلافت کا بھی سوچ رہے ہیں۔ ان کا خیال ہے کہ یہیں سے خلافت کو دوبارہ زندہ کیا جائے جہاں ۱۹۲۴ء میں اسے دفن کیا گیا تھا لیکن یہ سیکولر خلافت یعنی پاپائیت کی طرح کا کوئی ادارہ ہو، تاکہ مسلمانانِ عالم کو بہلایا تو جاسکے لیکن فی الحقیقت اسلام ان کے کسی منصوبے میں خلل نہ ڈالے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے بوسنیا کے مسلمانوں کی حالت زار بھی بیان کی جن کی طرف سے ایک بااختیار و ذمہ دار نمائندے نے استنبول میں ان سے ملاقات کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہاں سپین کی تاریخ دہرائی جارہی ہے اور یورپ سے مسلمانوں کی اجتماعیت کا آخری نشان بھی مٹانے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جارہا۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے مطابق رونے کا مقام یہ ہے کہ مسلمان حکومتیں ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کی تصویر بنی بیٹھی ہیں۔ ان کی مدد کو پہنچنے

والے مسلمان ملکوں کی تعداد اب تک پانچ سے نہیں بڑھی، جن میں سب سے زیادہ قابل ذکر امداد بوسنیا کے مسلمانوں کو ایران سے ملی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ بوسنیا کے وفد نے یہ انکشاف کر کے مجھے سخت شرمسار کیا کہ سعودی عرب سے اب تک محض پانچ ملین (پچاس لاکھ) ڈالر بطور امداد وصول ہوئے ہیں جبکہ بوسنیا سے قریب ترین واقع ہونے والے مسلم ملک ترکی نے محض دواؤں اور غذاؤں کے چودہ ٹرک بھیجے تو وہ بھی بوسنیا کے مسلمانوں کو نہیں بلکہ ریڈ کراس کو روانہ کئے گئے جس کے ذریعے یہ حقیر مدد بھی دشمن عیسائیوں کے ہتھے چڑھ گئی۔ بعد ازاں ترکی نے مزید براہ راست امداد کا وعدہ کیا تھا جو ہنوز شرمندۂ تعبیر ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے حکومت پاکستان سے مطالبہ کیا کہ بوسنیا کے مسلمانوں کی محض سیاسی حمایت کافی نہیں کیونکہ ان پر ایک ایک دن قیامت بن کر گزر رہا ہے۔ انہیں سامان خورد و نوش، ادویہ اور اسلحہ کی ضرورت ہے اور پاکستان کے مسلمانوں کا اپنی حکومت سے مطالبہ ہے کہ ہر مصلحت کو بالائے طاق رکھ کر یہ ضروری مدد فوراً انہیں پہنچائی جائے۔ بلکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس مسئلے پر تمام مسلمان ممالک کی کم از کم وزراء خارجہ کی سطح کی کانفرنس بلا تاخیر منعقد ہونی چاہئے اور اس ضمن میں پاکستان اگر کوئی کردار ادا کر سکتا ہو تو ضرور کرے تاکہ تمام مسلمان ممالک مل کر کوئی لائحہ عمل طے کریں اور مسلمانوں کے قتل عام کو روکنے کے لئے ہر ممکن دباؤ ڈالا جا سکے!

امیر تنظیم اسلامی کے ۱۴؍ اگست کے خطابِ جمعہ کا پریس ریلیز بھی ہدیۂ قارئین کیا جارہا ہے:

لاہور۱۴؍ اگست۔ امیر تنظیم اسلامی پاکستان ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ پاکستان ایک دوراہے پر آگیا ہے جہاں سے اسے اسلامی نظریاتی ریاست یا سیکولر سٹیٹ کی طرف جانے والے کسی ایک راستے کا انتخاب کرنا ہوگا اور چاہے یہ بات کتنی ہی تلخ اور امیدوں کے برعکس ہو لیکن دکھائی یہ دیتا ہے کہ ہمارا ملک سیکولر ازم کی طرف جارہا ہے کیونکہ لبرل مقتدر عناصر کا، چاہے وہ مسلم لیگ کا لیبل لگائے ہوئے ہوں یا پیپلز پارٹی سے تعلق رکھتے ہوں، اس امر پر اتفاق پایا جاتا ہے اور نئی دنیا کا داروغہ امریکہ بھی یہی چاہتا ہے بلکہ اس کی ترجیح تو یہ ہوگی کہ خود نفاذ شریعت کے علمبرداروں کے ہاتھوں یہاں سیکولرازم کو رواج ملے۔ ڈاکٹر اسرار احمد مسجد دارالسلام باغ جناح میں جمعہ کے اجتماع سے خطاب کر رہے تھے۔

انہوں نے کہا کہ سیکولرازم دستوری سطح پر کفر کا دوسرا نام ہے لیکن یہ کفر اس منافقت سے بہر حال بہتر ہے جس میں ہم مبتلا ہیں اور اس میں خیر کی یہ صورت نکل سکتی ہے کہ شاید ہماری مذہبی سیاسی جماعتیں سیاسی کھیل کے میدان سے نکل کر اپنے اصل کام کی طرف متوجہ ہونے اور مسلمانانِ پاکستان میں وہ ارادہ پیدا کرنے کی ضرورت محسوس کرنے لگیں جس کے بغیر یہاں نفاذِ اسلام ایک نعرے اور سٹنٹ کے سوا کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ انہوں نے یاد دلایا کہ قصاص و دیت آرڈیننس کے اجراء پر اس سے متاثر ہونے والوں کی طرف سے مزاحمت ہوئی تھی جس کے بعد اس کی افادیت ختم ہوگئی اور اب تو شاید اس کی بساط بھی لپیٹ دی گئی ہے۔ امیرِ تنظیم اسلامی نے کہا کہ دینی سیاسی جماعتوں سے میری یہ توقع بھی خوش فہمی ثابت ہو سکتی ہے کیونکہ جب ملک کی سب سے منظم اور اسلامی نظریاتی گروہ ہونے کی شہرت رکھنے والی جماعت نوجوانوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر رہ جائے تو دوسری جماعتوں سے کیا امید رکھی جاسکتی ہے۔ انہوں نے اس مخصوص جماعت کے قائد کی طرف سے یومِ آزادی کے موقع پر کھلنڈرے پن کے مظاہرے اور قائدِاعظم کے شیدائی کا بہروپ بھرنے کی بھونڈی کوشش پر شدید رنج کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ انہیں اپنے منصب کا بھی لحاظ نہیں رہا اور یہ بھی یاد نہیں کہ وہ ایک سنجیدہ و متین دینی رہنما کے جانشین ہیں جس سے اختلاف تو کیا جاسکتا ہے لیکن عوامی مقبولیت کی لہروں پر کسی نہ کسی طرح سواری کرنے کے لئے ناٹک رچانا اس کا شیوہ ہرگز نہ تھا۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ وہ دینی جماعت پہلے آئی جے آئی میں دفن ہوئی اور اب نوجوانوں کی بازی گری میں شریک ہو کر اپنا رہا سہا تشخص بھی گم کر رہی ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنے خطاب کے دوران وفاقی وزیرِ مملکت سردار آصف احمد علی کو مخاطب کر کے کہا کہ سردار آصف احمد علی! خدا کے لئے اس داڑھی ہی کی شرم کرو جو تم نے اپنے چہرے پر سجا رکھی ہے۔ اتنی ڈھٹائی اور ایسی جسارت کا مظاہرہ نہ کرو جو اللہ کے غضب کو تو بھڑکاتی ہی ہے، تمہیں توہینِ عدالت کا مرتکب بھی قرار دیتی ہے۔ کیا تم نے دھمکی دے کر عدالت عظمیٰ کو اس معاملے میں متاثر کرنے کی کوشش نہیں کی جو زیرِ سماعت ہے؟۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے مولانا عبدالستار نیازی سے بھی درخواست کی کہ اب تو وہ بھی اپنے ماضی اور اپنی دینداری کی لاج رکھیں اور اس حکومت پر تین حرف بھیج کر باہر آجائیں جو

اللہ اور رسولؐ کو جنگ جاری رکھنے کا کھلا چیلنج دے رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہماری حکومت نے ہر اچھے برے کام کے لئے ایک الگ وزیر بھرتی کیا ہوا ہے۔ ایک وزیر برائے حمایت شریعت ہے اور ایک کو بجا طور پر وزیر برائے مخالفت شریعت کا نام دیا جارہا ہے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ سود کے متبادل کا سوال اٹھا کر لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکی جارہی ہے حالانکہ سود کا متبادل سود ہی ہے جیسے زنا کا متبادل صرف زنا ہی ہوسکتا ہے نکاح نہیں جو اسی عمل کی ذمہ داریاں قبول کرنے کا نام ہے جو زنا میں کیا جاتا ہے۔ سود کی حرامخوری کا بھی کوئی متبادل نہیں کیونکہ جو شخص اپنے مال سے محض نفع حاصل کرنا چاہتا ہے اور نقصان کا خطرہ مول لینے کو تیار نہیں، اسے سود کا کوئی متبادل پیش نہیں کیا جاسکتا۔ امیر تنظیم اسلامی نے کہا کہ ہمارے ملک میں غیر سودی مالیاتی نظام کی تفاصیل پر کچھ کم کام نہیں ہوا لیکن یہاں معاملہ ارادے کی کمی کا ہے اور جہاں تک سود کی ہر شکل کی حرمت کا تعلق ہے، اس پر وفاقی شرعی عدالت کا فیصلہ ایک ایسی محکم دستاویز ہے جس کی نظیر اس وقت پورے عالم اسلام میں کہیں موجود نہیں۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے اپنے اس مشاہدے پر قدرے اطمینان کا اظہار کیا کہ تحریکِ پاکستان کی روح کو بیدار کرنے کی کوشش شروع ہوچکی ہے۔ انہوں نے کہا کہ تحریکِ پاکستان کے احیاء کی ضرورت بھی ہے اور یہ ممکن بھی ہے لیکن تحریکِ پاکستان میں جان ڈالنے کا مطلب مسلم لیگ کو زندہ کرنا ہرگز نہیں۔ انہوں نے کہا کہ تحریکِ پاکستان میں وفاقی محرک نے اپنی کارفرمائی پوری کردی اور قائدِ اعظم کی عدیم المثال قیادت میں مشیتِ ایزدی کے تحت ہمیں پاکستان مل گیا۔ اب اس کے استحکام کے لئے احیائی عمل کو جاری رکھنا ضروری ہے جو تحریکِ پاکستان کو زندہ و پائندہ رکھنے سے ہی ممکن ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ اس کے برعکس مسلم لیگ کا مردہ اب گل سڑ چکا ہے اور اس میں جان ڈالنے کا وہ آخری موقع بھی کھو دیا گیا جو تین چار برس پہلے پنجاب مسلم لیگ کے نوجوان رہنما نواز شریف کو ملا تھا۔ انہوں نے یاد دلایا کہ اس وقت میں نے اسی منبر پر بیٹھ کر نواز شریف سے درخواست کی تھی کہ وہ اپنی توانائی اور صلاحیت مسلم لیگ کی تنظیم نو اور اسے عوام کی زیریں سطح تک لے جانے کا کام کرنے میں لگائیں تو مستقبل انہیں کا ہے لیکن وہ فوری فائدوں کے پیچھے دوڑے، سرمایہ داری و سرمایہ پرستی کے چکر سے نہ نکل سکے اور وہ موقع کھو بیٹھے جو دوبارہ ملنے کی امید نہیں۔ ○○

مکتبہ الفضل کراچی کی پیش کش

امیر تنظیمِ اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے دو اہم خطابات:

(۱)

اسلامی انقلاب کے لیے
التزامِ جماعت اور لزومِ بیعت

عمدہ سرورق، صفحات ۸۲، قیمت -/۱۰ روپے

(۲)

جہاد بالقرآن
اور اس کے پانچ محاذ

خوشنما سرورق، صفحات ۹۸، قیمت -/۱۲ روپے

ملنے کے پتے

۱) مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، ۳۶۔ کے، ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰

۲) انجمن خدام القرآن سندھ، ۱۱ داؤد منزل شاہراہ لیاقت، کراچی۔

الحمد للہ کہ تنظیم اسلامی پاکستان کے مرکزی دفتر واقع ۶۷۔اے، علامہ اقبال روڈ، گڑھی شاہو لاہور میں فیکس مشین نصب ہو گئی ہے۔ رفقاء و احباب نمبر نوٹ فرمالیں جو 366638-(042) ہے۔

تحریک خلافت کے ضمن میں اطلاعات و پیغامات کی ترسیل کے لئے بھی یہی نمبر استعمال کیا جاسکتا ہے

ترکی میں خلافت کا خاتمہ
اور پاکستان میں اس کا احیاء

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے، اُدھر نکلے، اُدھر ڈوبے، اِدھر نکلے!

(امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی یہ تحریر روزنامہ نوائے وقت میں جمعہ ۱۴ر اگست کو "تفکر و تذکر" کے زیر عنوان شائع ہوئی۔)

حال ہی میں ۲۹ر جولائی سے ۵ر اگست تک، اللہ کے فضل و کرم سے، اُس شہر میں قیام کا موقع نصیب ہوا جو پورے چار سو سال تک عالمِ اسلام کا "دارالخلافہ" یعنی خلافتِ اسلامی کا صدر مقام رہا تھا۔ اور جس کے بارے میں علامہ اقبال نے فرمایا ہے کہ ؎

صورتِ خاکِ حرم یہ سر زمیں بھی پاک ہے
آستانِ مسند آرائے شہِ لولاکؐ ہے

اور ؎

نکہتِ گل کی طرح پاکیزہ ہے اس کی ہوا
تربتِ ایوبِ انصاریؓ سے آتی ہے صدا
اے مسلماں ملّتِ اسلام کا دل ہے یہ شہر
سینکڑوں صدیوں کے کشت و خوں کا حاصل ہے یہ شہر!

---- اس شہر کا موجودہ نام استنبول ہے (جو اسلامبول کی بدلی ہوئی صورت ہے) لیکن قدیم تاریخی نام قسطنطنیہ ہے۔ اور اسے حدیث نبویؐ میں "مدینۂ

قیصر" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

یہ سفر شمالی امریکہ کی "اسلامک میڈیکل ایسوسی ایشن" کی دعوت پر ہوا۔ یہ انجمن زیادہ تر اُن مسلمان ڈاکٹروں پر مشتمل ہے جو ساٹھ کی دہائی کے آس پاس مختلف مسلمان ممالک سے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لئے امریکہ گئے تھے، لیکن تعلیم کی تکمیل کے بعد کچھ وہاں کے خوش آئندہ حالات اور درخشاں مستقبل، اور کچھ اپنے ملکوں کے ناموافق یا ناگفتہ بہ حالات کی بنا پر مستقل طور پر وہیں آباد ہو گئے۔ اور اب وہاں اپنے اپنے شعبوں میں نہایت اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ اور مختلف میدانوں میں اپنی پیشہ ورانہ مہارت اور لیاقت کا لوہا منوا رہے ہیں۔

یہ انجمن ۱۹۶۷ء میں قائم ہوئی تھی اور اس طرح اس سال اس نے گویا اپنی سلور جوبلی منائی ہے۔ اس کا سالانہ کنونشن پہلے تو شمالی امریکہ ہی کے مختلف شہروں میں منعقد ہوتا رہا۔ لیکن چند سال قبل طے ہوا کہ ہر دوسرے سال اسے "انٹر نیشنل کنونشن" کی صورت میں دوسرے ملکوں، بالخصوص ایسے شہروں میں منعقد کیا جائے جو ماضی میں اسلامی ثقافت و تمدن کے اہم مرکز رہے ہوں۔ چنانچہ اس نوعیت کا پہلا بین الاقوامی کنونشن دو سال قبل ان ہی دنوں سپین میں منعقد ہوا تھا، اور دوسرا اِس سال مندرجہ بالا تاریخوں میں استنبول میں منعقد ہوا، جس میں چھ سو کے لگ بھگ مندوبین شریک ہوئے۔

اس انجمن سے میرا ابتدائی تعارف ۱۹۷۹ء میں اپنے پہلے سفر امریکہ کے موقع پر ہوا تھا جب میری آمد کی اطلاع پر ذمہ دار حضرات نے مجھے بھی اپنے کنونشن میں مدعو کر لیا تھا جو اس سال ڈلاس میں منعقد ہوا تھا۔ دو تین سال بعد ایک مرتبہ پھر مجھے ان کے کنونشن منعقدہ نیاگرا میں شرکت کا موقع ملا —— اور یہ تو ان حضرات کا بہت ہی بڑا کرم، اور میرا حد درجہ اعزاز و اکرام ہے، جس کے لئے میں ان کا تہہ دل سے ممنون ہوں، کہ انہوں نے اپنے ان دونوں بین الاقوامی اجتماعات میں مجھے اپنے "چیف گیسٹ سپیکر" کی حیثیت سے مدعو کیا۔ چنانچہ جیسے اس سال ترکی، اور

اس کے اہم شہروں استنبول اور بروصہ کی زیارت اس کنونشن کے طفیل نصیب ہوئی' اسی طرح دو سال قبل علامہ اقبال کے الفاظ میں "تہذیبِ حجازی کے مزار" یعنی ہسپانیہ اور اس کے اہم شہروں غرناطہ اور قرطبہ کی زیارت کا موقع بھی اسی کنونشن کی بدولت ملا تھا۔ اور عجیب اتفاق ہے کہ استنبول کی طرح ہسپانیہ کی سرزمین اور خاص طور پر قرطبہ کی جامع مسجد کو بھی اقبال نے "حرم مرتبت" قرار دیا ہے۔ چنانچہ ہسپانیہ کے بارے میں بالعموم بھی یہ فرمایا ہے کہ ۔

ہسپانیہ تو خونِ مسلماں کا امیں ہے
مانندِ حرم پاک ہے تو میری نظر میں!

اور مسجد قرطبہ کو تو "حرمِ قرطبہ" کے الفاظ سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے ۔

کعبۂ اربابِ فن' سطوتِ دینِ مبیں
تجھ سے حرم مرتبت اندلسیوں کی زمیں!

——گویا "آئی ایم اے نارتھ امریکہ" کی کرم فرمائی سے راقم نے اس سال استنبول دیکھ لیا اور دو سال قبل قرطبہ اور غرناطہ بھی دیکھ لئے تھے' لیکن واقعہ یہ ہے کہ "تسکینِ مسافر نہ سفر میں نہ حضر میں" کے مصداق دونوں بار دل میں غم و اندوہ کا بھاری بوجھ لئے ہوئے ہی لوٹنا ہوا۔

عجیب اتفاق ہے کہ دو سال قبل ایک ہفتہ جس علاقے میں بسر ہوا تھا وہ براعظم یورپ کے انتہائی مغرب میں واقع ہے اور آٹھویں صدی عیسوی کے آغاز میں اسلام اور مسلمان وہاں سے یورپ میں داخل ہو کر بیس سال کے اندر اندر فرانس کے عین قلب تک جا پہنچے تھے۔ اور اِس سال ایک ہفتہ جہاں قیام رہا وہ علاقہ یورپ کے انتہائی مشرقی سرے پر واقع ہے اور وہاں سے اسلام اور مسلمان چودھویں صدی عیسوی کے آغاز میں یورپ میں داخل ہو کر دیکھتے ہی دیکھتے ویانا کی فصیلوں تک پہنچ گئے تھے۔ پھر عجیب تر نکتہ یہ ہے کہ علامہ اقبال کے اس شعر کے مصداق کہ ۔

جہاں میں اہلِ ایماں صورتِ خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر نکلے' اُدھر ڈوبے اِدھر نکلے

چودھویں صدی عیسوی میں جب خورشیدِ اسلام یورپ کے مشرق میں طلوع ہو رہا تھا اس براعظم کے مغرب یعنی ہسپانیہ میں مسلمانوں کی قوت و سطوت کا سورج غرب ہونا شروع ہوگیا تھا یہاں تک کہ پندرہویں صدی کے وسط میں جب مشرقی یورپ میں اسلام اور مسلمانوں کے عروج کا سورج نصف النہار پر چمک رہا تھا' اور ۱۴۵۳ء میں "صدیوں کے کشت و خون" کے بعد اسلام کا پرچم بالآخر قسطنطنیہ پر بھی لہرانے لگا تھا (واضح رہے کہ "مدینۂ قیصر" پر مسلمانوں کا پہلا حملہ ۶۸-۶۶۷ء میں امیر معاویہؓ کے دور حکومت میں ہوا تھا۔) عین اس وقت ہسپانیہ میں اسلام اور مسلمانوں کے استیصال کا عمل شدت سے جاری تھا جو ۱۴۹۲ء میں سقوطِ غرناطہ کے بعد اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے وہاں اسلام اور مسلمان دونوں کی حالت وہ ہوگئی کہ قرآن حکیم کے الفاظ میں: كَأَن لَّمْ يَغْنَوْا فِيهَا "جیسے وہ وہاں کبھی تھے ہی نہیں!" (الاعراف: ۹۲ اور ھود: ۶۸'۹۵)

اس سال استنبول کے کنونشن میں شرکت کی دعوت تو بہت پہلے سے آچکی تھی' لیکن بعض اسباب کی بنا پر طبیعت اس میں شرکت پر بالکل آمادہ نہیں تھی' بالخصوص روانگی سے متصلاً قبل والدہ صاحبہ مکرمہ کی شدید علالت کے باعث تو بیرون ملک سفر بالکل خارج از بحث ہوگیا تھا۔ چنانچہ میں نے اپنا حتمی معذرت نامہ بھی فیکس کردیا تھا۔ لیکن پھر شکاگو کے ڈاکٹر خورشید احمد ملک نے ایک طویل جوابی فیکس میں ترپ کا آخری پتہ پھینک دیا کہ: آپ نے پاکستان میں تحریک خلافت شروع کی ہے۔ اور اس صدی کے آغاز میں خلافت اسلامی کا سلسلہ ترکی سے منقطع ہوا تھا جس کے سب سے بڑے شہر میں یہ کنونشن منعقد ہو رہا ہے۔ اور ہم نے کنونشن کے اہم ترین پروگرام یعنی آخری عشائیے کے موقع پر آپ کے خطاب کا عنوان ہی: "نظام خلافت میں ریاست کا سیاسی و دستوری ڈھانچہ" تجویز کیا ہے جس کی وسیع پیمانے پر تشہیر بھی ہوچکی ہے تو ع "دیں اذانیں کبھی یورپ کے کلیساؤں میں!" کے مصداق کیوں نہ آپ بھی اس موقع پر خلافت کی اذان سیکولر ترکی کے عین قلب

میں بلند کریں!' ——— چنانچہ یہ وار کارگر ثابت ہوا' اور اللہ پر توکل کرتے ہوئے رختِ سفر باندھ لیا۔ چنانچہ ۳ر اگست کی رات کو آبنائے باسفورس کے کنارے "دیوان" نامی اوپن ائیر ریسٹوران کے وسیع صحن میں سات آٹھ سو افراد کی موجودگی میں لگ بھگ پون گھنٹے کے خطاب کی صورت میں خلافت کی "ندا" بلند کرنے کی سعادت حاصل ہوگئی ۔ یہ خطاب اگرچہ ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں تھا لیکن یقیناً یہ "جذبۂ دل کی تاثیر" ہی کا کرشمہ تھا کہ اسے پورا مجمع ہمہ تن گوش ہو کر سنتا رہا۔ (اور الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ واپسی پر والدہ صاحبہ مکرمہ کو بھی پہلے سے بہت بہتر حالت میں پایا۔)

اس مختصر تحریر میں ظاہر ہے کہ نہ کنونشن کی تفصیلات بیان ہو سکتی ہیں' نہ سفر ترکی کے مشاہدات و تاثرات بیان کئے جاسکتے ہیں' اس وقت صرف ایک نکتے کی وضاحت مطلوب ہے اور وہ یہ کہ جس طرح پانچ سو سال قبل خورشید اسلام ایک ہی صدی میں یورپ کے مغرب میں غروب' اور مشرق میں طلوع ہوا تھا' اسی طرح وہ خورشیدِ خلافت بھی جو بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں عالم اسلام کے قلب کے "مغربِ قریب" یعنی ترکی میں غروب ہوا تھا' ان شاء اللہ العزیز' اس صدی کے اواخر تک "مشرقِ قریب" یعنی پاکستان اور افغانستان کی سرزمین میں طلوع ہو جائے گا! اور اس طرح اللہ نے چاہا تو وہ خواب پورا ہو کر رہے گا جو فکر اسلامی کے مجدّد' اور پاکستان کے مصوّر و مجوز علامہ اقبال مرحوم نے دیکھا تھا' جس کا واضح اور صریح ذکر تو علامہ کے دسمبر ۱۹۳۰ء کے خطبہ الہ آباد میں ہے' اور عمومی تذکرہ ان اشعار میں ہے جو ۱۹۳۳ء میں ہسپانیہ کے سفر کے دوران بالخصوص قرطبہ میں کہے گئے تھے ——— یعنی ؎

آبِ روانِ کبیر تیرے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کے خواب

اور ؎

عالمِ نو ہے ابھی پردۂ تقدیر میں
میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب!

(واضح رہے کہ الوادی الکبیر اس دریا کا عربی نام ہے جس کے قریب مسجد قرطبہ واقع ہے)

ترکی کے نام سے آج جو خالص سیکولر جمہوری نیشن سٹیٹ دنیا میں موجود ہے، وہ ۱۹۱۱ء کی جنگِ بلقان، اور ۱۹۱۴ء تا ۱۹۱۸ء والی جنگِ عظیم کے نتیجے میں تین براعظموں پر پھیلی ہوئی عظیم سلطنتِ عثمانیہ کے خاتمے پر اس کے بقیۃ السیف حصے کے طور پر وجود میں آیا تھا۔ اتاترک مصطفیٰ کمال پاشا اس اعتبار سے تو یقیناً دنیا کی پوری مسلمان قوم کے شکریئے کے مستحق ہیں کہ ان ہی کی مساعی کے نتیجے میں نہ صرف ایشیائے کوچک میں ترکوں کی حکومت برقرار رہی بلکہ یورپ کے بھی تھوڑے سے حصے بالخصوص مدینۂ قیصر میں ان کے قدم جمے رہ گئے ـــــ اس لئے کہ یورپ کی مسیحی ریاستیں تو کم از کم یورپ سے اسلام اور مسلمانوں کا نام و نشان اسی طرح مٹانے پر تلی ہوئی تھیں جس طرح پانچ سو سال قبل سپین سے مٹایا تھا۔ (اور جس کی ایک عملی مثال اس وقت بھی بوسنیا ہرزگووینا میں نظر آرہی ہے۔) ـــــ لیکن دوسری جانب ترک قوم اور جدید ترکی ریاست کو "ڈی اسلامائز" کرنے کا "کارنامہ" انہوں نے جس شدت و عزیمت کے ساتھ سرانجام دیا اس کی بھی کوئی دوسری مثال دنیا میں موجود نہیں ہے۔ اس مقصد کے لئے انہوں نے جہاں لباس اور وضع قطع میں یورپ کی تقلید کو لازم قرار دیا، عربی زبان اور اس کے رسم الخط تک کو ممنوع قرار دے کر ترکی زبان کے لئے لاطینی رسم الخط رائج کیا، اور قوانین شریعت کو منسوخ کر کے مغربی قواعد و قوانین نافذ کئے، وہاں ۱۹۲۰ء تا ۱۹۲۴ء تدریجاً خلافت کا ادارہ بھی ختم کر دیا۔

خلافت کی تنسیخ کا یہ عمل چار سال کے دوران تین مراحل میں پایۂ تکمیل کو پہنچا تھا۔ اور یہ نکتہ قابلِ توجہ ہے کہ اس سلسلے کے پہلے اقدام کی علامہ اقبال مرحوم

نے نہ صرف یہ کہ تائید کی تھی بلکہ اسے باقاعدہ سراہا تھا۔ یہ اقدام "گرینڈ نیشنل اسمبلی" کے قیام کی صورت میں جمہوریت کی طرف پہلا قدم تھا' جس کی تائید و تصویب علامہ مرحوم نے اپنے خطبات میں ان الفاظ میں کی ہے کہ "جمہوری طرزِ حکومت نہ صرف یہ کہ اسلام کی روح کے ساتھ کامل مطابقت رکھتا ہے بلکہ عہد حاضر میں جو نئی قوتیں عالم اسلام میں برسر کار آگئی ہیں ان کے پیش نظر ناگزیر بھی ہے ...." واضح رہے کہ اس پہلے اقدام کے ساتھ سلطان اور خلیفہ کا یکجا منصب بھی برقرار رہا تھا اور اس طرح عملی صورت گویا امریکہ کے موجودہ صدارتی نظام سے مشابہ ہوگئی تھی یعنی یہ کہ صدر یا چیف ایگزیکٹو کی حیثیت خلیفہ کو حاصل تھی اور کانگریس یا مقننہ کی حیثیت گرینڈ نیشنل اسمبلی کو۔ لیکن اس سے آگے بڑھ کر جب ۱۹۲۰ء میں سلطان کا منصب ختم کر کے صرف خلافت کو گویا پاپائیت کے طرز پر باقی رکھا گیا تو اقبال نے اپنے اشعار میں بھی احتجاج کیا کہ۔

لادینی و لاطینی کس پیچ میں الجھا تو
دارو ہے ضعیفوں کا لَا غَالِبَ اِلَّا ھُوْ!

اور خطبات میں بھی تنقید فرمائی کہ ریاست اور مذہب کی یہ "دوئی" اسلام کی کامل ضد ہے!ـــــ اور پھر جب بالآخر ۱۹۲۴ء میں خلافت کا علامتی ادارہ بھی بالکل منسوخ کردیا گیا تب تو حضرت علامہ نے بالکل اس انداز میں ماتم کیا جس کا نقشہ انہوں نے "صقلیہ" نامی نظم میں کھینچا ہے' ـــ یعنی۔

آسماں نے دولتِ غرناطہ جب برباد کی
ابنِ بدروں کے دلِ ناشاد نے فریاد کی

اور۔

بدنصیب اقبال کو بخشا گیا ماتم ترا
چن لیا تقدیر نے وہ دل کہ تھا محرم ترا!

چنانچہ کسی قدر تلخ لہجہ میں فرمایا:۔

چاک کردی ترکِ ناداں نے خلافت کی قبا
سادگی مسلم کی دیکھ اوروں کی عیّاری بھی دیکھ!

جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ علامہ کو اس کا پورا یقین تھا کہ تنسیخ خلافت کے اس اقدام کے پیچھے دشمنانِ دین و ملت کی عیاری کار فرما ہے۔ چنانچہ اب تو یہ بات سب ہی کے علم میں ہے کہ مصطفیٰ کمال پاشا فری میسن کے دامِ تزویر میں گرفتار تھے' اور تنسیخ خلافت کی پشت پر یہودی اور صیہونی سازش کارفرما تھی۔!

مغرب میں خورشید خلافت کے اس درجہ بدرجہ غروب ہونے کے دلخراش منظر کے ساتھ ساتھ ایک نظر مشرق میں اس کے طلوعِ نو کے تدریجی عمل پر بھی ڈال لی جائے:

۱۔ اگست ۱۹۴۷ء میں علامہ اقبال کے اس خواب کی عملی تعبیر قیام پاکستان کی صورت میں سامنے آگئی جو انہوں نے ۱۹۳۰ء کے خطبہ الہ آباد میں پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ بیان کیا تھا۔

۲۔ ڈیڑھ ہی سال بعد مارچ ۱۹۴۹ء میں پاکستان کی آئین ساز اسمبلی نے "قرار داد مقاصد" پاس کردی جس کی پہلی شق یعنی: "کل کائنات پر واحد حاکمیت اللہ تعالیٰ کی ہے اور جو اختیار پاکستان کے عوام کو حاصل ہے وہ ایک مقدس امانت ہے جو اللہ کی معین کی ہوئی حدود کے اندر ہی استعمال کیا جاسکتا ہے۔" نے اصولی اعتبار سے پاکستان میں "نظام خلافت" کی بنیاد رکھ دی۔

۳۔ ۱۹۸۵ء میں نہ صرف یہ کہ قرار داد مقاصد دستور کے دیباچے سے بڑھ کر اس کا جزو لاینفک بن گئی بلکہ فیڈرل شریعت کورٹ بھی قائم ہوگئی جسے (چند استثناءات کے ساتھ) یہ اختیار دے دیا گیا کہ جس قانون کو جزوی یا کلی طور پر شریعت سے متصادم پائے اسے کالعدم قرار دیدے!

اب صرف ایک "چھلانگ" باقی ہے —— یعنی یہ کہ قرآن و سنت کو ریاست کا سپریم لاء قرار دیا جائے' فیڈرل شریعت کورٹ کے دائرہ کار پر جو قدغنیں لگی ہوئی

ہیں انہیں ختم کردیا جائے' اور اس کا درجہ بلند کر کے اسے سپریم کورٹ ہی کی حیثیت دیدی جائے' تو نظام خلافت کے کم از کم اصولی اور دستوری تقاضے پورے ہوجائیں گے۔ اور اگر ایک قدم آگے بڑھا کر یعنی صدارتی نظام اختیار کر کے چیف ایگزیکٹو کو "خلیفۂ پاکستان" قرار دیدیا جائے اور قانون سازی (یعنی بقول اقبال اجتہاد) کی ذمہ داری پارلیمینٹ یا نیشنل اسمبلی یا مجلس ملی کو تفویض کر کے' عدالت ہائے عالیہ کو اختیار دیدیا جائے کہ اسمبلی کا پاس کردہ جو قانون کتاب و سنت کے منافی یا اس کے حدود سے متجاوز ہو اسے کالعدم قرار دے سکیں ـــــ تو وہی صورت بن جائے گی جس کی تائید و تصویب مصور و مفکر پاکستان علامہ اقبال مرحوم نے ترکی کے ضمن میں کی تھی!

تاہم یہ واضح رہنا چاہیے کہ یہ "آخری چھلانگ" نہ انتخابی سیاست اور اقتدار کے کھیل میں شرکت کے ذریعے لگائی جاسکتی ہے' نہ ہی یہ مرحلہ میلوں ٹھیلوں اور ڈراموں اور ناٹکوں کے ذریعے بھیڑ جمع کر کے سر کیا جاسکتا ہے' بلکہ اس کے لئے اسوۂ محمدیؐ اور منہج نبویؐ کے مطابق انقلابی جدوجہد درکار ہے جس کی تشریح و توضیح کا سلسلہ ان شاء اللہ آئندہ صحبت سے پھر جاری کردیا جائے گا۔

آخر میں ایک بات "پس نوشت" کی حیثیت سے' جو بظاہر تو "لطیفہ" ہے لیکن حقیقت کے اعتبار سے غلیظ "کثیفہ" بھی ہوسکتی ہے ـــــ اور وہ یہ کہ استنبول میں ایک صاحب نے مجھے بتایا کہ اب یہاں فری میسن کے حلقے میں اس تجویز پر کام ہورہا ہے کہ ترکی میں اسلامی خلافت کا احیاء کردیا جائے۔ فوری طور پر تو میرے ذہن نے اسے چنڈو خانے کی بڑ قرار دیا لیکن ایک تو راوی کی شخصیت نے اس پر سنجیدگی سے غور کرنے پر مجبور کردیا' اس لئے کہ وہ ایک ایسے پاکستانی دانشور ہیں جو بیس سال سے زائد عرصہ سے ترکی میں مقیم ہیں' اور چونکہ انہوں نے وہیں ایک ترک خاتون سے شادی کرلی ہے جن سے بحمد اللہ اولاد بھی ہے لہٰذا اب وہاں ان کا قیام (سابق محکمہ بحالیات کی اصطلاح میں) کم از کم "عارضی مستقل" کے درجہ میں ضرور ہے'

پھر وہ کئی کتابوں کے مصنف ہیں اور عالمی حالات پر گہری نگاہ رکھتے ہیں۔ دوسرے اچانک خیال آیا کہ یہ بھی نہایت گہری سازش ہو سکتی ہے کہ اب جبکہ عالم اسلام میں "خلافت" کا چرچا شروع ہو گیا ہے تو اس سے پہلے کہ کسی ملک میں حقیقی خلافت قائم ہو جائے کیوں نہ وہ خود پہل کر کے ایک ڈمی خلافت قائم کر دیں جو ۱۹۲۲ء کے اقدام کی صورت میں ہو، یعنی خلیفہ صرف "پوپ" کی حیثیت اختیار کر لے اور اس کا امور سلطنت سے کوئی سروکار نہ ہو، جہاں خالص سیکولر نظام کی حکمرانی رہے۔ مزید برآں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اِدھر مرزا عثمان بیگ کی نسل سے کسی کے سر پر یہ پاپائیت کا تاج رکھ دیا جائے اور اُدھر کسی "ہاشمی" کی بھی متوازی تاجپوشی کر دی جائے تاکہ ایک جانب "خلافت" ایک نزاع کا معاملہ ہی نہیں، کھیل تماشہ اور مذاق بن کر رہ جائے اور دوسری جانب وہ کسی حقیقی خلافت کے سدباب کے لئے آلۂ کار کا کام دے سکے! الغرض یہ نرا "لطیفہ" نہیں ہے بلکہ سنجیدہ سازش ہو سکتی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس دوڑ میں جیت کس کی ہوتی ہے ——— اور پاکستان کی دینی جماعتیں اور تحریکیں اپنا رخ اور طریقہ کار تبدیل کر کے یہاں حقیقی اسلامی خلافت قائم کرنے میں کامیابی حاصل کر لیتی ہیں یا دشمنانِ دین و ملت بازی لے جاتے ہیں۔

عَنِ الحَارِثِ الاَشعَرِیِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ:

"اٰمُرُکُم بِخَمسٍ"

بِالجَمَاعَۃِ (۱) وَالسَّمعِ (۲) وَالطَّاعَۃِ (۳) وَالھِجرَۃِ (۴) وَالجِھَادِ فِی سَبِیلِ اللّٰہِ (۵)

(مشکوٰۃ المصابیح بحوالہ مسند احمد و جامع ترمذی)

بحث ونظر

صرف وعظ و نصیحت اور تعلیم و تلقین یا کچھ اور بھی؟

(روزنامہ نوائے وقت ــــ "تفکر و تذکر" ــــ جمعہ ۱۲ر اگست)

"منہج انقلاب نبوی" کی وضاحت کے سلسلہ میں آگے بڑھنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک نظر ان خیالات پر بھی ڈال لی جائے جو ہماری معروضات پر تنقید اور تبصرے کے ضمن میں محترم ڈاکٹر محمد امین صاحب کی اس تحریر میں سامنے آئی ہیں جو "نوائے وقت" میں دو اقساط میں شائع ہوئی ہے' اس لئے کہ اس میں انہوں نے نہایت اختصار لیکن جامعیت کے ساتھ ایک خاص مکتب فکر کی کامل ترجمانی کردی ہے جس سے قارئین کے لئے اس کے بارے میں رائے قائم کرنا آسان ہوگیا ہے' جس کے لئے ہم ان کے ممنون ہیں۔ ڈاکٹر صاحب موصوف اس اعتبار سے بھی ہمارے شکریئے کے مستحق ہیں کہ انہوں نے پوری دیانتداری کے ساتھ ایسے بہت سے خیالات و نظریات کی علیحدہ علیحدہ تصویب و تائید کردی ہے جن کو اگر جمع اور مرتب کرلیا جائے تو "منہج انقلاب" کی مکمل تصویر سامنے آجاتی ہے! **فالحمد للہ علیٰ ذٰلک!**

تھوڑی سی شکایت ڈاکٹر صاحب سے اس اعتبار سے ہے کہ انہوں نے اپنی تحریر کا بہت سا حصہ اولاً کچھ اصول فقہ کے غیر متعلقہ مباحث اور ثانیاً کچھ ایسی باتوں کی نذر کردیا ہے جن پر کوئی اختلاف ہے ہی نہیں! اور انداز بھی ایسا اختیار کیا ہے جس سے قارئین کو وہم ہوجائے کہ شاید ہمیں ان سے اختلاف ہے۔ اور اس کے نتیجے میں ان کا ذہن اصل مسئلے کی جانب متوجہ ہی نہ ہوسکے!

اس بات میں تو ہرگز کسی اختلاف کی گنجائش نہیں ہے کہ انفرادی سطح پر ایک مسلمان کے دینی فرائض یہی ہیں کہ وہ اپنے عقائد کی تصحیح اور ایمان میں اضافے کے لئے مسلسل کوشاں رہے' صوم و صلوٰۃ اور دیگر جملہ فرائض و واجبات پابندی سے ادا کرتا رہے' حلال پر اکتفا کرے اور حرام سے اجتناب کرے' اور حتی المقدور اور حسب صلاحیت دوسروں کو خیر کی دعوت دیتا رہے' نیکیوں کی تلقین کرتا رہے' بدی سے روکتا

رہے وَقِس علیٰ ذٰلک!

لیکن اب ذرا ایک نظر اجتماعی نظام اور اس کی اہمیت پر بھی ڈال لینی چاہئے اور حسب ذیل سوالات پر غور کرنا چاہئے:

۱)۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ عہد حاضر کا انسان اجتماعی نظام میں جس طرح جکڑا ہو ہے پہلے کبھی نہ تھا، چنانچہ موجودہ دور میں جو بھی پولیٹیکو سوشیو اکنامک سسٹم (Politico-Socio - Economic System) کسی ملک اور معاشرہ میں قائم ہو اس کا ہمہ گیر اور ہمہ جہت جبر ہر انسان کو اپنے چنگل میں پوری طرح جکڑ لیتا ہے؟

۲)۔ پھر کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ اگر یہ نظامِ اجتماعی، جبر و استبداد، اور ظلم و استحصال پر مبنی ہو جس سے انسان ایک جانب "مستکبرین" اور "مستضعفین" میں اور دوسری جانب "مترفین" اور "محرومین" میں تقسیم ہو کر رہ جائیں تو اس صورت میں انفرادی دعوت و تبلیغ اور وعظ و تلقین کا دائرہ بہت محدود، اور اثرات تقریباً معدوم ہو کر رہ جاتے ہیں؟ مثلاً کیا شاہ ولی اللہ دہلوی کا یہ تجزیہ درست نہیں ہے کہ جس معاشرے میں تقسیم دولت کا نظام غلط ہو جائے وہاں ایک جانب دولت کے انبار لگ جاتے ہیں جس سے عیاشیاں اور بدمعاشیاں جنم لیتی ہیں، اور دوسری جانب عوام کی عظیم اکثریت ڈھور ڈنگر اور باربرداری کے جانور بن کر رہ جاتی ہے اور ان کے لئے کسی اعلیٰ خیال تک رسائی ہی محال ہو جاتی ہے، کجا اللہ کی معرفت کا حصول اور اس سے لو لگانے کا معاملہ!

۳)۔ اگر ان دو سوالات کا جواب اثبات میں ہے، تو کیا اس استبدادی اور استحصالی نظام کا خاتمہ ضروری نہیں ہے؟ اور کیا اس کی جگہ عدل و قسط پر مبنی اور سماجی انصاف کی ضمانت دینے والا نظام قائم کرنا وقت کی اہم ترین ضرورت نہیں ہے؟ اور کیا کتاب و سنت اس بارے میں بالکل خاموش ہیں؟ کیا سورۂ حدید کی آیت نمبر ۲۵ میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ:

"ہم نے اپنے رسولوں کو واضح نشانیوں اور تعلیمات کے ساتھ بھیجا، اور ان کے ساتھ کتاب اور میزان (یعنی عدل اجتماعی کی ضمانت دینے والی شریعت) نازل کی، تاکہ لوگ عدل و انصاف پر قائم ہوں۔ اور ہم نے لوہا بھی اتارا، جس میں جنگ کی شدید صلاحیت ہے، اور لوگوں کے لئے دوسرے فائدے بھی ہیں —— تاکہ اللہ دیکھے کہ کون ہیں وہ (وفادار بندے) جو غیب کے باوجود اللہ اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں۔" اور کیا

سورۂ نساء اور سورۂ مائدہ کی ان آیات مبارکہ میں امر کا صیغہ وارد نہیں ہوا کہ "اے اہل ایمان عدل و قسط کو پوری قوت کے ساتھ قائم کرنے والے اور اللہ کے حق میں گواہی دینے والے بنو" (نساء : ۱۳۵) اور "اے اہل ایمان، اللہ کے لئے پوری طاقت کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ، عدل و انصاف کے گواہ بن کر!" (مائدہ : ۸) اور اگر ان میں امر کا صیغہ ہی استعمال ہوا ہے تو آیا ان سے وجوب ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟

۴)۔ پھر اگر ان سوالات کے جوابات بھی اثبات میں ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسے اہم مقاصد کے لئے طریق کار اور لائحہ عمل کی رہنمائی سے کتاب و سنت خالی ہیں؟ اور کیا اسوۂ رسولؐ صرف داڑھی کے طول اور پائجاموں کی اونچائی ہی سے متعلق ہے یا اس اہم انسانی اور دینی فریضے کے ضمن میں بھی رہنمائی کرتا ہے؟ یقیناً کسی مسلمان کا خیال یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ سنت اور اسوۂ رسولؐ صرف ظاہری وضع قطع تک محدود ہیں اور اگر خدانخواستہ ہو تو اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ۔

تو ہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا
ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے!

۵)۔ پھر کیا یہ واقعہ نہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بالفعل یہ کارنامہ سر انجام دیا کہ انسانوں کے مابین اونچ نیچ، جبر و استبداد اور ظلم و استحصال کی جڑ کاٹ کر رکھ دی اور "دین الحق" یعنی نظام عدل و قسط کو قائم کر کے دکھا دیا؟ اگر یہ حقیقت واقعی کسی مسلمان کو نظر نہ آئے تو سوائے ماتم کے اور کیا کیا جا سکتا ہے کہ ع "جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے، باغ تو سارا جانے ہے!" اس لئے کہ اغیار اور اعداء سمیت پوری دنیا تو اس عظیم حقیقت کا برملا اعتراف کرتی ہے!

اب اگر یہ ساری باتیں صحیح ہیں، تو ہمارا "دعویٰ" صرف یہ ہے کہ سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہی اس عظیم انقلاب کے طریق کار اور لائحہ عمل کا واحد منبع اور سرچشمہ ہے، لہٰذا ہم اس کی جانب رجوع اس مجبوری کے تحت کر رہے ہیں کہ ۔

جز دار اگر کوئی مفر ہو تو بتاؤ
ناچار گنہگار سوئے دار چلے ہیں!

تاہم اگر کسی کے پاس کوئی متبادل لائحہ عمل ہو تو لائے اور پیش کرے ع "آئے یہ گوئے

ہے، اور یہ چوگان!" — ہمیں تو علیٰ وجہ البصیرت معلوم ہے کہ " جا ایں جاست"
——— اور

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باُو نہ رسیدی تمام بولہبی است!

کے مطابق سیرت النبیؐ کے راستے کے سوا سارے راستے کسی نہ کسی دوسری منزل کی جانب لے جانے والے ہیں، اللہ کے عطا کردہ نظام عدل و قسط کے قیام کی جانب نہیں!۔

ترسم کہ بہ کعبہ نہ رسی اے اعرابی
کیں راہ کہ تومی روی بہ ترکستان است!

ہاں اس کے ہم بھی یقیناً قائل ہیں کہ بدلے ہوئے حالات کے مطابق جہاں جہاں ضرورت ہو اجتہاد سے کام لیا جانا چاہئے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر صاحب نے تو صرف ایک فرق کی جانب توجہ دلائی ہے کہ آنحضورؐ نے کام کفار میں کیا تھا، اب ہمیں مسلمانوں میں کرنا ہے، ہمارے سامنے تو دو امور اور بھی ہیں یعنی ایک یہ کہ آنحضورؐ کے زمانے میں عرب میں کوئی منظم حکومت قائم نہیں تھی اور مسلح تصادم کے آغاز کے وقت بھی اسلام اور کفر کی طاقت میں نسبت تناسب (تعداد اور اسلحہ کے فرق دونوں کے مجموعی اعتبار سے) ایک اور دس سے زیادہ کا نہیں تھا جبکہ آج جو پولیٹیکو سوشیو اکنامک سسٹم قائم ہیں ان کی پشت پر بے پناہ قوتوں سے مسلح مقامی حکومتیں ہی نہیں عظیم عالمی قوتیں بھی ہیں جن کے ساتھ عوام کے مسلح تصادم کا معاملہ تقریباً محال کے درجہ میں آچکا ہے —— اور دوسرے یہ کہ آج بحمد اللہ شہریوں کے بنیادی حقوق کا تصور موجود ہے جو اس وقت نہیں تھا۔ چنانچہ مسلح تصادم سے کم تر ذرائع سے بھی "انقلاب" برپا کیا جاسکتا ہے۔ لیکن ان امور کے ضمن میں ہمارا موقف یہ ہے کہ "منہج انقلاب نبویؐ" کو اصل اور بنیاد قرار دے کر معین طور پر طے کرنا ہوگا کہ کس ضرورت کے تحت اس میں کس مقام پر کیا اجتہادی تبدیلی ضروری یا مناسب ہے! اور یہ طرز عمل قطعاً غلط ہوگا کہ ان تین امور کی اساس پر نبویؐ طریق کو سرے سے ترک کر کے پورا نقشۂ کار اپنے ذہن و فکر اور اپنی ترجیحات کی بنیاد پر وضع کر دیا جائے —— ان امور پر ان شاء اللہ العزیز آئندہ مفصل گفتگو ہوگی۔ اس وقت تو یہ ڈاکٹر صاحب کی جانب سے قبل از مرگ واویلا والی بات ہے!

الحمد للہ کہ ڈاکٹر صاحب نے بعض باتیں بہت صحیح اور بالکل درست فرمائی ہیں اور اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ان کو جمع کر لیا جائے اور ان کے درمیان حکیمانہ تالیف و تدوین کی صورت پیدا کر دی جائے مثلاً:

۱) ایک یہی بات کہ "سیاسی اور تمدنی ارتقاء کے حوالے سے مغرب نے ایسے تجربے ضرور کئے ہیں جو اسلامی اصولوں کے خلاف نہیں!" ہمارے نزدیک یہ بات اس اعتبار سے بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ مغرب کے ان تجربات ہی کے ذریعے "انسانی حقوق" کا وہ تصور دنیا میں دوبارہ پیدا ہوا جو مسلمانوں میں ملوکیت کے رواج کے بعد دنیا سے ناپید ہو گیا تھا جس کا حوالہ ہم اوپر دے آئے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ان تجربات کے لئے مغرب والوں نے کوئی جدوجہد کی تھی یا نہیں اور اپنا خون بھی دیا تھا یا نہیں؟ اور یہ انسانی سعی و جہد اور ایثار و قربانی کے ذریعے ہوئے تھے یا خود بخود آسمان سے ٹپک پڑے تھے۔ اور کیا یہ فرائض اب بھی صرف مغرب ہی کے لئے ہیں اور ہمارے لئے "فقط اللہ ہو' اللہ ہو" ہی ہے! بینوا توجروا!

۲)۔ اسی طرح یہ بات بھی نظری طور پر صد فی صد درست ہے کہ "اگر کسی ملک کے عوام کی اکثریت اسلامی تحریک کی پشت پر ہو تو بلٹ کی بجائے یہ انقلاب بیلٹ کے ذریعے بھی آسکتا ہے' اور جلسے جلوسوں' مظاہروں اور سول نافرمانی کے ذریعے بھی آسکتا ہے جو آج کے سیاسی منظر میں قابل قبول ہے!" اگرچہ واقعی اعتبار سے اس لئے مغالطہ آمیز ہے کہ عوام کی اکثریت کبھی نہیں بدلا کرتی بلکہ ہمیشہ "خاموش اکثریت" (Silent Majority) کی صورت اختیار کئے رہتی ہے اور انقلاب ہمیشہ ایک منظم اور تن' من' دھن قربان کرنے والی اقلیت کے ذریعے آتا ہے۔ یہی وجہ ہے کے انتخابات کے ذریعے کوئی انقلاب' یعنی پولیٹکو سوشیو اکنامک سسٹم میں کوئی اساسی تبدیلی نہیں لائی جاسکتی' اس لئے کہ انتخابات میں "تعداد" ہی فیصلہ کن ہوتی ہے ـــــ لہٰذا واحد ممکن راستہ دوسرا ہی رہ جاتا ہے یعنی مظاہروں اور سول نافرمانی کا جس کے کم از کم "جواز" بلکہ غالباً استحباب کا فتویٰ خود ڈاکٹر صاحب نے صادر فرمایا دیا ہے' فجزاہ اللہ احسن الجزاء

۳)۔ اسی طرح یہ بات بھی صد فی صد درست ہے کہ "جمہور فقہاء نے ایک غیر آئینی یا غیر معیاری مسلم حکومت کے خلاف صرف اس صورت میں خروج (مسلح

تصادم) اور مزاحمت کی اجازت دی ہے جب خروج کے لئے اٹھنے والوں کے پاس اتنی سیاسی اور عسکری طاقت موجود ہو کہ ان کے غلبے کے امکانات غالب ہوں اور پھر ان میں اتنی صلاحیت نمایاں طور پر نظر آتی ہو کہ وہ غیر صالح نظام کو اکھاڑ کر اس کی جگہ ایک نیا صالح نظام قائم کر سکیں!" لیکن سوال یہ ہے کہ سیاسی اور عسکری قوت کیا از خود آسمان سے نازل ہو جائے گی یا انسانی کوشش کے ذریعے فراہم کی جائیگی اور اسی طرح مطلوبہ صلاحیت بھی آنِ واحد میں پیدا ہو جائیگی یا اس کے لئے بھی پیہم جدوجہد لازمی ہوگی' اور کوئی نظامِ تعلیم و تزکیہ مرتب کرنا پڑے گا؟ اگر جواب یہ ہے کہ یہ سب کچھ کوشش اور جدوجہد کے ذریعے ہی حاصل ہو سکتا ہے تو یہی تو سیرتِ نبویؐ سے ماخوذ طریق انقلاب کے ابتدائی تین مراحل ہیں یعنی (i) دعوت و تبلیغ کے ذریعے انسانوں کی افرادی قوت کی فراہمی (ii) تنظیم کے ذریعے انہیں ایک اجتماعی طاقت اور "بنیانِ مرصوص" بنانا اور (iii) تعلیم و تزکیہ کے ذریعے ان میں مطلوبہ صلاحیت پیدا کرنا! ــــــ اور ہم تو مسلح تصادم کو تو بحالاتِ موجودہ تقریباً خارج ازامکان سمجھتے ہیں' مظاہروں اور سول نافرمانی کے آغاز سے قبل بھی ان تین مراحل کے مؤثر حد تک پورے ہو جانے کے شدت کے ساتھ قائل ہیں! تو پھر اختلاف ہے کہاں؟

گویا بات وہی ہے جو ہم عرض کر چکے ہیں کہ ڈاکٹر محمد امین صاحب علیحدہ علیحدہ طور پر ہماری ہر بات کی تصویب کر رہے ہیں' البتہ ان کو جمع کر کے ایک وحدت کی صورت دینے سے جو معاملہ سامنے آتا ہے اس سے کنی کترانا چاہتے ہیں۔ ہم ان کے ممنون ہیں کہ انہوں نے ہماری رائے کی نہایت صحیح اور جامع تعبیر فرمائی یعنی:" ڈاکٹر صاحب کے فلسفۂ انقلاب کی تلخیص یہ ہے کہ یہ سادہ تبلیغ سے شروع ہو کر تنظیم و تربیت اور کشمکش و مزاحمت کے مراحل سے گزرتا ہوا تخت یا تختہ کی جنگ پر منتج ہوتا ہے جس میں یا تو انقلابی گروہ کامیاب ہو کر اسلامی انقلاب برپا کر دیتا ہے یا ناکام ہو کر مظلومانہ شہید ہو جاتا ہے لیکن اللہ کی راہ میں سرخرو ہو جاتا ہے "ــــــ لیکن حیرانی اس بات پر ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے اسے غلط قرار دے کر' پھر اس کے ایک ایک جزو کی تصویب بھی فرما دی ہے!

اسی طرح یہ بات بھی سمجھ میں نہیں آتی کہ ڈاکٹر صاحب "تخت یا تختہ" سے اس قدر الرجک کیوں ہیں جبکہ یہ تو عام محاورہ ہے کہ "یا تختہ جگہ آزادی کی' یا تخت مقام آزادی

کا!" پھر خود ڈاکٹر صاحب نے ایران کے انقلاب کی بھی تصویب کی ہے، تو کیا وہاں تخت یا تختہ کا معاملہ نہیں تھا اور کیا جناب آیت اللہ خمینی کامیابی کی صورت میں "تخت حکومت" پر متمکن نہیں ہو گئے تھے، اور اگر وہ ناکام ہو جاتے تو کیا پھانسی کے تختے کے سوا ان کا کوئی اور مقام ہوتا؟ ـــــ پھر وہ تاریخ اسلام کے صدر اول کے واقعات و حوادث میں سے حسینؓ ابن علیؓ اور عبداللہؓ ابن زبیرؓ (رضی اللہ عنہم اجمعین) کی مساعی کو بھی، بحمد اللہ، بنظر استحسان دیکھتے ہیں تو کیا وہاں تخت یا تختہ والا معاملہ نہیں ہوا؟ ـــــ اب ذرا ایک قدم مزید پیچھے چلے جائیں اور ۱۶ر اور ۱۷ر رمضان المبارک ۲ھ کی درمیانی شب کی کیفیت پر غور کریں جب فخر موجودات و سید البشر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی کے طویل ترین سجدے میں دعا کر رہے تھے کہ: اے اللہ اگر کل یہ مٹھی بھر مسلمان جو میری پندرہ برس کی کمائی ہیں، سب قتل ہو گئے تو پھر قیامت تک تجھے پوجنے والا کوئی نہیں ہو گا! ـــــ تو کیا اُس وقت معاملہ تخت یا تختہ کا نہیں تھا؟ ـــــ **بیّنوا تُوجروا!**

حاصلِ کلام یہ کہ "منہج انقلاب نبویؐ" کا ایک ایک جزو اپنی جگہ اتنا حتمی و قطعی، ـــــ واضح و بیّن، اور ظاہر و باہر ہے کہ ہر مسلمان خواہی نخواہی اسے جانتا بھی ہے اور مانتا بھی، حتیٰ کہ جو لوگ اس کی نفی کے لئے قلم اٹھاتے ہیں وہ بھی مجبوراً اس کی تائید ہی کرتے ہیں، لیکن اصل معاملہ وہ ہوا ہے کہ ؎

اڑائے کچھ ورق لالے نے، کچھ نرگس نے، کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری!

کے مصداق اس کل کے اجزاء منتشر ہو گئے ہیں، اور اب ضرورت صرف ان کی تالیف اور تدوین کی ہے تاکہ وہ ایک وحدتِ کبریٰ اور حیاتیاتی اکائی کی حیثیت سے ابھر اور نکھر کر نگاہوں کے سامنے جلوہ گر ہو جائے، جس سے ان شاء اللہ بہت سے ایسے مخلص لوگوں کی آنکھیں کھل جائیں گی جو اِس وقت غلط فہمی میں اِدھر اُدھر کی پگڈنڈیوں میں بھٹک رہے ہیں ـــــ چنانچہ اسی کی کوشش ان کالموں میں کی جا رہی ہے ـــــ **وما توفیقی الا باللہ!**

آخر میں ہم ڈاکٹر محمد امین صاحب اور ان کے طرز فکر کے حامل دوسرے لوگوں کی

توجہ اس حقیقت کی جانب منعطف کرانا چاہتے ہیں کہ ـــــ اس وقت عالمی سطح پر ایک جانب تو "نیو ورلڈ آرڈر" کے قیام کی جانب پیش قدمی ہو رہی ہے جو فی الواقع "جیو ورلڈ آرڈر" ہے، اور دوسری جانب اقتصادی اعتبار سے پوری دنیا دو حصوں میں منقسم ہے جن میں سے ایک کو ترقی یافتہ اور دوسرے کو ترقی پذیر قرار دیا جاتا ہے، ایک عرصے تک اس تقسیم کو شمال اور جنوب کی کشمکش سے بھی تعبیر کیا جاتا رہا، اور اب مقدم الذکر کو "جی۔ سیون" کے کوڈ ورڈ کی صورت دے دی گئی ہے۔ ان کم و بیش سات ممالک نے اپنے اپنے معاشروں میں ایک جانب کم از کم دستوری اور قانونی سطح پر "انسانی حقوق" کا تقدس بھی قائم کیا ہوا ہے، اور دوسری جانب کسی نہ کسی حد تک عوامی بہبود کا اہتمام بھی کر رکھا ہے۔ لیکن اس کے لئے وسائل یہ فریق ثانی یعنی ترقی پذیر یا غیر ترقی یافتہ ممالک کے جبری استحصال کے ذریعے حاصل کر رہے ہیں ـــــ ادھر ان مؤخر الذکر ممالک کا حال یہ ہے کہ قومی سطح پر تو عالمی قارونوں کی لوٹ کھسوٹ کے باعث بھوکے اور ننگے، غیر مہذب و غیر منظم، اور مقروض اور بھکاری ہیں لیکن خود ان کے اندر بھی مترفین اور محرومین، اور مستکبرین اور مستضعفین کے طبقات موجود ہیں جو ایک طرف ایک دوسرے کے بھوکے ننگے جسموں سے رہا سہا گوشت بھی نوچ کھانے کی کوشش میں مشغول ہیں تو دوسری طرف ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لئے سیاسی دنگل میں مسلسل دھینگا مشتی میں مصروف و مشغول ہیں۔

اب سوال یہ ہے کہ ع "کچھ علاج اس کا بھی اے چارہ گراں ہے کہ نہیں؟" کے مصداق اس صورت حال میں ہدایتِ ربانی کے امین، اور دینِ حق کے علمبرداروں کا بھی کچھ فرض ہے یا نہیں؟ ـــــ کیا نوع انسانی کو اس حال میں چھوڑ کر مسلمانوں کو۔

مست رکھو ذکر و فکرِ صبحگاہی میں اسے
پختہ تر کردو مزاجِ خانقاہی میں اسے!

ہی پر عمل پیرا رہنے کی تلقین کی جاتی رہے گی، ـــــ اور وعظ و تلقین اور سلوک و ارشاد سے آگے بڑھ کر بھی بس درس و تدریس اور تصنیف و تالیف ہی کا شغل جاری رکھا جائے گا ـــــ یا۔

(باقی صفحہ ۷۹ پر)

مباحث جہاد فی سبیل اللہ
درس: ۵

الہدیٰ قسط: ۸۰

اعراض عن الجہاد کی پاداش

نفاق

سورۃ المنافقون کی روشنی میں

(۲)

لفظ "نفاق" کی لغوی بحث

یہاں یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ نفاق کے لفظی معنی کیا ہیں۔ جیسا کہ کئی مرتبہ عرض کیا جاچکا ہے' اکثر عربی الفاظ کا ایک سہ حرفی مادہ ہوتا ہے۔ لفظ نفاق کا مادہ "ن ف ق" ہے۔ عربی زبان میں اس کے دو بنیادی لغوی استعمالات ہیں اور دونوں کے اعتبار سے قرآن مجید کی دو بالکل مختلف اصطلاحات وجود میں آئی ہیں' اگرچہ ان دونوں میں ایک بڑا لطیف ربط ہے' جس کی طرف بعد میں اشارہ ہوگا۔ "نَفَقَ الْفَرَسُ" اس مفہوم کو ادا کرنے کے لئے بولا جاتا ہے کہ گھوڑا مرگیا' جیسے ہم کہتے ہیں مرکھپ گیا ——— "نَفَقَتِ الدَّرَاهِمَ" کا معنیٰ ہے پیسے ختم ہوگئے۔ اسی مادہ سے باب افعال میں لفظ "انفاق" بنا ہے' یعنی خرچ کردینا' کھپا دینا' لگا دینا۔ انفاق فی سبیل اللہ کا مفہوم ہوگا اللہ کی راہ میں لگا دینا' کھپا دینا' خرچ کردینا' صَرف کردینا۔ ہمارے اس منتخب نصاب میں یہ لفظ سورۃ التغابن میں آچکا ہے: وَاَنْفِقُوا خَيْرًا لِّاَنْفُسِكُمْ "اور خرچ کرو' اسی میں تمہارے لئے بہتری ہے"۔ یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنا اور لگا دینا ہی تمہارے حق میں خیر اور بھلائی ہے۔ اور اس ضمن میں تعلیم دی گئی کہ اپنا بہتر سے بہتر مال خرچ کرو: لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ کہ تم نیکی کو حاصل نہ کرسکو گے' مرتبۂ بِر تک نہ پہنچ پاؤ گے جب تک کہ خرچ نہ کرو وہ چیز جو تمہیں محبوب ہے۔ اور فرمایا گیا کہ جب تک کہ جی کے اس لالچ سے رستگاری حاصل نہ کرو گے فلاح نہ پاؤ گے۔ سورۃ التغابن میں انفاق کے حکم کے فوراً

بعد فرمایا: وَمَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ○ "اور جو کوئی جی کے اس لالچ سے بچا لیا گیا تو فلاح تک پہنچنے والے صرف وہی لوگ ہیں"۔ چنانچہ ایک یہ اصطلاح "انفاق" ہے جو "ن ف ق" کے مادے سے اخذ کی گئی ہے۔

اب اسی مادے سے اخذ کردہ دوسری اصطلاح کی طرف آیئے! "نفق" بطور اسم ایک اور معنی میں آتا ہے۔ اس کے معنی ہیں "سرنگ" چنانچہ سورۃ الانعام میں یہ لفظ بایں طور آیا ہے: وَاِنْ کَانَ کَبُرَ عَلَیْکَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِی السَّمَآءِ فَتَاْتِیَهُمْ بِاٰیَةٍ کہ اے نبیؐ یہ کفار و مشرکین آپ سے جس قسم کے حسی معجزات کا مطالبہ کر رہے ہیں، اللہ کی حکمت ان کے ظہور کی متقاضی نہیں ہے، اللہ کا فیصلہ ہے کہ اس قسم کے معجزات ان کو نہیں دکھائے جائیں گے ---- لیکن بالفرض اگر آپ پر ان کا یہ اعراض و انکار بہت شاق گزر رہا ہے تو اگر آپ کے لئے ممکن ہے تو کہیں زمین میں سے کوئی سرنگ لگا کر یا آسمان پر سیڑھی لگا کر ان کی مطلوبہ نشانیوں میں سے کوئی نشانی انہیں لا کر دکھا دیجئے! اسی "ن ف ق" سے ایک اور لفظ بنا ہے۔ عربی زبان میں "نافقاء" گوہ کے بل کو کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ذی حیات کو کچھ شعور بخشا ہے۔ گوہ ایک حقیر سا جانور ہے، لیکن اس میں اپنے تحفظ کا مادہ اتنا قوی ہے کہ وہ اپنا بل سرنگ کی مانند بناتا ہے جس کے دو منہ ہوتے ہیں، تاکہ اگر کوئی شکاری کتا کسی ایک رخ سے داخل ہو تو وہ اپنی جان بچانے کے لئے دوسرے منہ سے نکل بھاگے اور اگر اُدھر سے کوئی خطرہ ہو تو اِدھر سے نکلنے کی کوئی سبیل رہ جائے۔ یہی لفظ منافقت کی لغوی اصل ہے جس پر کہ قرآن مجید کی یہ اصطلاح مبنی ہے۔

منافقت کیا ہے؟

چنانچہ سرسری مفہوم میں منافق وہ ہے جس کے دو رخ ہیں۔ وہ ایمان سے بھی ایک تعلق رکھتا ہے اور کفر سے بھی۔ چنانچہ منافقین کے بارے میں فرمایا گیا: وَاِذَا لَقُوا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰی شَیٰطِیْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَکُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ○ کہ جب اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم بھی صاحب ایمان ہیں، ہم بھی ایمان لائے ہیں اور جب اپنے شیطانوں یعنی اپنے سرغنوں سے ملتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں کہ

ہم تو تمہارے ہی ساتھ ہیں، مسلمانوں سے تو ہم استہزاء کر رہے ہیں، ان کا مذاق اڑا رہے ہیں، ہمارا ایمان کا دعویٰ تو محض تمسخر اور دل لگی کے سوا کچھ نہیں۔

منافقین کی اس نفسیاتی کیفیت کو سورۃ النساء میں اس طرح بیان فرمایا گیا: مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ کہ یہ مذبذب ہو کر رہ گئے ہیں، معلق ہو کر رہ گئے ہیں، نہ اِدھر یکسو ہیں نہ اُدھر یکسو! یہ دورُخا پن اور دو جانب تعلق رکھنے کا طرز عمل دراصل انسان اپنے تحفظ، اپنی جان اور مال کے بچاؤ اور اپنی دنیا کو کسی نہ کسی طور سے بچا لینے کے لئے اختیار کرتا ہے کہ کسی طرف بھی اپنے آپ کو مکمل طور پر Identify نہ کرے۔ ایک وابستگی کا وہ انداز ہوتا ہے کہ اگر یہ کشتی تیرتی ہے تو ہم تیریں گے، ڈوبتی ہے تو ہم بھی ساتھ ہی ڈوبیں گے۔ اور ایک یہ رویہ ہے کہ ہمیں تو بہر صورت اپنا تحفظ کرنا ہے، لہٰذا کشتیاں جلانی نہیں ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ اِن کا پلڑا بھاری ہو جائے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کو بالادستی حاصل ہو جائے، لہٰذا دونوں سے بنا کر رکھو۔

یہ تو ہوا اس دو رخے پن کا وہ ایک ظاہری سا نقشہ کہ جس کی مناسبت ہے اس لفظ "نفق" اور "نافقاء" سے۔ لیکن ذرا غور کیا جائے تو معلوم ہو گا کہ اس میں جو اصل جذبہ کار فرما ہے وہ جان و مال کے بچاؤ کا ہے۔ حالانکہ ہونا تو یہ چاہیے، بقول علامہ اقبال کہ

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے، ترا آئنہ ہے وہ آئنہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہ آئنہ ساز میں

ایمان کا تقاضا تو یہ ہے کہ اپنا سب کچھ لگا دو اور کھپا دو، اگر اللہ پر ایمان لائے ہو، اس کے رسولؐ پر ایمان کے دعویدار ہو تو اللہ کے دین کے غلبے اور اس کے رسولؐ کے مشن کی تکمیل کے لئے اپنی قوتوں اور توانائیوں کو صرف کر دینا ایمان کا لازمی تقاضا ہے، اس لئے کہ ایمان تو بندے اور رب کے درمیان ایک قول و قرار کا نام ہے۔ سورۃ التوبہ میں اس کو یوں تعبیر فرمایا گیا: اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ کہ اللہ نے اہل ایمان سے ان کی جانیں اور ان کے مال جنت کے بدلے میں خرید لئے ہیں۔ یہ بیع و شراء ہو چکا ہے، جان و مال اسی دنیا میں اللہ اور اس کے دین کے لئے لگا دو اور کھپا دو۔ اس کے عوض آخرت میں اللہ تمہیں جنت عطا فرمائے گا۔ تو جان لو کہ

اب یہ جان اور مال تمہارے پاس اللہ کی امانت ہیں، غلبہ و اقامتِ دین کی جدّوجہد میں جب جان و مال کے ایثار کی ضرورت پیش آئے، انہیں اللہ کی راہ میں نچھاور کردو۔ یہ ہے ایمان کا تقاضا۔ اسی لئے سورۃ الحجرات میں ایمان حقیقی کے بیان میں لفظ صدق کو نمایاں کیا گیا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَ جٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَ اَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ؕ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ ○

"کہ حقیقی مومن تو بس وہی ہیں جو ایمان لائیں اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر اور پھر شک میں نہ پڑیں، اور وہ جہاد کریں اپنے اموال کے ساتھ اور اپنی جانوں کے ساتھ اللہ کی راہ میں، یہی لوگ (اپنے دعویٰ ایمان میں) سچے ہیں"۔

اور یہی وجہ ہے کہ سورۃ الاحزاب میں اس صدق میں مبنی طرز عمل کی طرف توجہ بایں الفاظ دلائی گئی ہے: رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاھَدُوا اللّٰہَ عَلَیْہِ وہ جواں مرد کہ جنہوں نے جو عہد اپنے رب سے کیا تھا اسے پورا کر دکھایا۔ اس عہد میں کوتاہی، اس کے تقاضوں کے ادا کرنے سے پہلو تہی، اس سے کنی کترانا، اس میں پیچھے ہٹنا نفاق کا ایک اہم سبب ہے۔ س کے لئے ایک بڑی واضح اور موثر مثال سورہ التوبہ میں آئی ہے۔ فرمایا:

وَ مِنْھُمْ مَّنْ عٰھَدَ اللّٰہَ لَئِنْ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِہٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَ لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِیْنَ ○ (آیت ۷۵)

"اور ان میں سے کچھ لوگ وہ بھی ہیں جنہوں نے اللہ سے ایک عہد کیا تھا کہ اگر وہ ہمیں اپنے فضل میں سے کچھ عطا فرمائے گا (یعنی رزق میں کشادگی فرمائے گا اور ہمیں تونگری عطا فرمائے گا) تو ہم صدقہ کریں گے (اس کے دین کی راہ میں زیادہ سے زیادہ انفاق کریں گے) اور ہم صالحین میں سے ہو جائیں گے۔"

فَلَمَّآ اٰتٰھُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ بَخِلُوْا بِہٖ وَ تَوَلَّوْا وَّ ھُمْ مُّعْرِضُوْنَ ○ (آیت ۷۶)

"لیکن جب اللہ نے اپنے فضل میں سے انہیں عطا کیا (انہیں غنی کر دیا) تو اب وہ اس کے ساتھ بخل کر رہے ہیں (مال کو سینت سینت کر رکھ رہے ہیں)

اور اپنے اس عہد سے منہ موڑ رہے ہیں اور پیچھے ہٹ رہے ہیں۔"

اس سے اگلی آیت میں وہ الفاظ آ رہے ہیں جن کے لئے میں نے اس آیت کا حوالہ دیا اور جو نفاق کے اصل سبب کو واضح کر رہے ہیں:

فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ بِمَا أَخْلَفُوا اللَّهَ مَا وَعَدُوهُ وَبِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ○ (آیت ۷۷)

"تو اللہ تعالیٰ نے (ان کے اس طرز عمل کی پاداش میں سزا کے طور پر) ان کے دلوں میں نفاق پیدا کر دیا اُس دن تک کہ جب وہ اس سے ملاقات کریں گے، اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ سے جو وعدہ کیا تھا اس کی خلاف ورزی کی اور اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے"۔

نفاق کا اصل سبب

قرآن مجید میں سورۃ التوبہ اور سورۃ الاحزاب میں منافقت اور منافقین کے بارے میں یہ بڑے طویل مباحث آئے ہیں، لیکن اکثر و بیشتر قرآن کا پڑھنے والا ان پر سے یہ سمجھ کر گزر جاتا ہے کہ یہ تو صرف وہ لوگ تھے جو محض دھوکہ دینے کے لئے اہلِ ایمان میں داخل ہوئے تھے۔ حالانکہ بات صرف یہی نہیں ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ بھی ایک نوع کا نفاق تھا، لیکن درحقیقت دورِ نبویؐ میں جو نفاق پیدا ہوا اس کا اصل سبب اعراض عن الجہاد تھا، یعنی جان و مال کے کھپانے سے کنی کترانا۔ ایمان محبوب ہے لیکن کفر سے بھی مفادات وابستہ ہیں، آخرت بھی مطلوب ہے لیکن دنیا بھی ہاتھ سے دینے کو تیار نہیں۔ تو یہ دو کشتیوں کی سواری درحقیقت نفاق کی بنیاد ہے۔ اگر بات وہ ہے کہ ع "ہرچہ بادا باد ماکشتی درآب اندا ختیم" تو یہ ہے صدقہ، یہ ہے سچا ایمان۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں یہ الفاظ ہم نے پڑھے ہیں کہ: "**أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ**" اور "**رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ**" اس کے برعکس اپنے اس عہد میں جھوٹا ہونا، اس میں پیچھے قدم ہٹانا ہی دراصل کذب اور نفاق ہے۔

معنی کے پس منظر میں بھی دیکھا جائے تو نفاق کی اصل جڑ اور بنیاد درحقیقت

جہاد فی سبیل اللہ سے کنی کتراتا ہے۔

منافق کی علامات

لفظ کذب کے حوالے سے نفاق کے ضمن میں یہ بات بھی نوٹ کر لیجئے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی جو علامتیں بیان فرمائی ہیں ان میں کذب کو سرفہرست رکھا ہے۔ آپ نے فرمایا:

'آیۃ المنافق ثلاثٌ اذا حدّث کذب و اذا وعد اخلف و اذا اؤتمِنَ خان

منافق کی تین نشانیاں ہیں i) جب بولے جھوٹ بولے ' ii) جب وعدہ کرے خلاف ورزی کرے اور iii) جب اس کے پاس کوئی چیز بطور امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔

یہاں چونکہ معاملہ اس نوع کے نفاق کا نہیں ہے جو ذہنوں میں بیٹھا ہوا ہے کہ منافق تو اسے کہتے ہیں جس نے مسلمانوں اور اسلام کو زک پہنچانے کے لئے سازش کے طور پر اسلام کا لبادہ اوڑھا ہو' لہٰذا اس حدیث کی تشریح میں بالعموم علماء کرام نفاق کی دو قسمیں بیان کرتے ہیں کہ ایک ہے نفاق اعتقادی اور دوسرا نفاق عملی۔ ان کی توجیہہ کے مطابق اس حدیث میں نفاقِ عملی کا تذکرہ ہے ' نفاقِ اعتقادی کا نہیں ۔ بہرکیف اس بحث سے قطع نظر آنحضورؐ کا فرمان یہ ہے کہ یہ تین اوصاف وہ ہیں کہ جو اگر کسی کی طبیعت میں راسخ ہو جائیں تو وہ پکا منافق ہے۔ ہاں اگر کبھی کسی وقت جھوٹ کا ارتکاب ہو جائے یا کبھی کسی وقت وعدہ خلافی ہو جائے تو یہ چیز نفاق کے ذیل میں نہیں آئے گی۔

یہ مضمون ایک اور حدیث میں اس سے بھی زیادہ مؤکد شکل میں آیا ہے ۔ حضورؐ فرماتے ہیں: **اربعٌ من کنّ فیہ کان منافقًا خالصًا** کہ چار خصلتیں ایسی ہیں کہ جس کسی میں وہ چاروں موجود ہوں تو وہ شخص منافق ہے ' پکا اور کٹر منافق !——— آپ نے یہاں تک فرمایا: "**وَاِن صام و صلّٰی و زعم انہ مسلمٌ**" خواہ وہ شخص روزہ رکھتا ہو ' خواہ نماز پڑھتا ہو اور خواہ اسے خود بھی یہ زعم ہو اور وہ یہ خیال کرتا ہو کہ میں مسلمان ہوں ۔ لیکن اگر یہ چاروں وصف اس میں موجود ہیں تو وہ پکا منافق ہے ۔ اس حدیث میں ان تین باتوں کے علاوہ جن کا ذکر پچھلی حدیث میں تھا چوتھی چیز آپؐ نے یہ گنوائی کہ: "**وَاِذَا**

خاصَمَ فَجَرَ " کہ جب کہیں کوئی جھگڑا ہو تو وہ آپے سے باہر ہو جائے' نہ زبان پر کنٹرول رہے نہ جذبات پر۔ یہ چوتھا وصف یا چوتھی علامت ہے منافق کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں مزید وضاحت فرمائی کہ جس میں یہ چاروں خصلتیں جمع ہیں وہ تو کٹر منافق ہے اور جس میں ان میں سے کوئی ایک وصف پایا جاتا ہے اس میں اسی مناسبت سے نفاق موجود ہے۔ یہ ہے نفاق کی حقیقت از روئے قرآن و حدیث!

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اب ایک بات اور جان لیجئے۔ ایک خیال یہ بھی عام لوگوں کے ذہنوں میں بیٹھ گیا ہے اور بعض روایات سے غلط طریقے پر یہ نتیجہ اخذ کر لیا گیا ہے کہ نفاق تو بس دور نبویؐ ہی میں تھا' اس کے بعد اب نفاق کہیں موجود نہیں ہے ۔ حالانکہ یہ تو ایک ایسا نفسیاتی مرض ہے کہ کوئی انسانی معاشرہ کبھی اس سے خالی نہیں رہا ۔ ہر انسانی جدوجہد میں تین طرح کے طبقات ہمیشہ موجود رہے ۔ ایک وہ کہ جو کسی نئی دعوت کو یا نظریئے کو کھلم کھلا قبول کرتے ہیں' ہرچہ بادا باد کی شان کے ساتھ۔ دوسرے وہ جو کھلم کھلا مخالفت کرتے ہیں اور اس دعوت یا جدوجہد کا راستہ روکنے کے لئے میدان میں آجاتے ہیں ۔ ایک تیسرا طبقہ وہ ہوتا ہے کہ وہ کسی جانب یکسو نہیں ہوتا بلکہ ادھر والوں سے بھی بنا کر رکھنا چاہتا ہے اور ادھر بھی اپنے روابط برقرار رکھنے کی کوشش کرتا ہے ۔ اسے ہر قیمت پر اپنا تحفظ مطلوب ہوتا ہے کہ اگر اونٹ اس کروٹ بیٹھ جائے تب بھی ہمارے لئے بچاؤ کا کوئی راستہ رہ جائے اور اگر کہیں اس کروٹ بیٹھے تب بھی ہمارے لئے مکمل تباہی نہ ہو!—— اس کیفیت کو قرآن "تربص" سے تعبیر کرتا ہے اور یہی درحقیقت نفاق کی بنیاد ہے۔ سورۃ الحدید میں جہاں نفاق کی اصل حقیقت اور اس کے اسباب کا بیان ہے وہاں یہ لفظ آیا ہے۔ اسی طرح سورۃ التوبہ کی آیت ۲۴ میں بھی جس کا حوالہ اس سے قبل دیا جاچکا ہے ' یہ لفظ ہمارے مطالعے میں آچکا ہے 'کہ اے نبی ان مسلمانوں سے کہہ دیجئے ' اگر تمہیں اپنے باپ اور اپنے بھائی اور اپنے بیٹے اور اپنی بیویاں اور اپنے رشتہ دار اور اپنے وہ مال جو تم نے جمع کئے ہیں اور اپنے کاروبار جو تم نے بڑی محنت سے جمائے ہیں اور جن کے مندا پڑنے کا تمہیں اندیشہ رہتا ہے اور اپنی جائیدادیں جو تمہیں بہت محبوب ہیں'

اگر یہ تمام چیزیں محبوب تر ہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور اس کی راہ میں جہاد سے تو جاؤ حالت تربص میں رہو' انتظار کرو! ------ یہاں اسلوب میں غیظ و غضب نمایاں ہے اور الفاظ یہ ہیں: "فَتَرَبَّصُوا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ۗ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ○" جاؤ' انتظار کرو' یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ سنا دے اور اللہ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔

نفاق کا اندیشہ کسے لاحق ہوتا ہے؟

نفاق کے بارے میں ایک اور بات جو لائق توجہ ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بڑی ہی حکمت افروز حدیث بھی اس ضمن میں ملتی ہے کہ مرض نفاق کے حملے کا اصل خوف مومن ہی کو لاحق ہوتا ہے' منافق اس سے اندیشہ محسوس نہیں کرتا اس لئے کہ وہ تو اس بیماری کے چنگل میں جکڑا جا چکا ہے۔

حدیث کے الفاظ یہ ہیں:

مَا خَافَهُ اِلَّا مُؤْمِنٌ وَمَا اَمِنَهُ اِلَّا مُنَافِقٌ

کہ اس مرضِ نفاق سے صرف مومن ہی اندیشہ محسوس کرتا ہے اور اس سے خود کو محفوظ و مامون صرف منافق ہی سمجھتا ہے!

ظاہر بات ہے کہ ڈرے گا وہی جس کی گٹھڑی میں مال ہوگا' چنانچہ جس کے پاس ایمان کی کچھ پونجی موجود ہوگی وہی اس کے ضائع ہوجانے کا اندیشہ محسوس کرے گا اور جس کی پونجی لٹ چکی ہو' اسے اب کاہے کا خوف! ؏ رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو۔

احادیثِ مبارکہ سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ گناہ اور غلطی اگرچہ مومن سے بھی صادر ہوجاتی ہے لیکن مومن کے احساس کی شدت کا عالم یہ ہوتا ہے کہ اگر اس سے کوئی گناہ صادر ہوجائے تو وہ یوں محسوس کرتا ہے کہ جیسے وہ ایک پہاڑ تلے دب گیا ہو' یا پہاڑ کا سا بوجھ اس کے سر پر آگیا ہو۔ اس کے برعکس منافق سے جب کوئی اس طرح کا معاملہ صادر ہوتا ہے تو ایک ہلکا سا احساسِ تقصیر تو اسے بھی ہوتا ہے لیکن بس اتنا کہ جیسے کسی کی ناک پر ایک مکھی بیٹھی تھی اور اس نے اسے اڑا دیا۔ اس شدتِ احساس کی آخری درجے میں کیفیت کا مشاہدہ اگر کرنا ہو تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا

معاملہ ذہن میں لایئے ۔ ان کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یہ گواہی دیتے ہیں کہ جس راستے سے عمر کا گزر ہوتا ہے اس راستے سے شیطان کنی کترا جاتا ہے ۔ حق و باطل میں فرق کردینے والے اس عمرفاروق (رضی اللہ عنہ) کے شدت احساس کا علم یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے' جنہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطورِ راز کچھ منافقین کے نام بتا دیئے تھے اور جو صاحب سرالنبی مشہور تھے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ اللہ کی قسم دے کر پوچھتے ہیں کہ اے حذیفہ میں اللہ کی قسم دے کر تم سے یہ سوال کرتا ہوں کہ کہیں میرا نام تو ان منافقین میں شامل نہیں تھا!!! یہ ہے شدت احساس!۔۔۔۔۔ اسی کا نقشہ ایک انصاری صحابی حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعے میں سامنے آتا ہے۔ وہ ایک بار ایک عجیب کیفیت میں گھر سے نکلے۔ زبان سے یہ الفاظ نکل رہے تھے:" **نافقَ حنظلۃ' نافق حنظلۃ' نافق حنظلۃ** " کہ حنظلہ تو منافق ہوگیا' حنظلہ تو منافق ہوگیا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے راستے میں ملاقات ہوئی۔ انہوں نے سوال کیا کہ معاملہ کیا ہے! فرماتے ہیں کہ میں تو منافق ہوگیا ہوں ۔ اور وہ اس لئے کہ جب میں حضورؐ کی محفل میں ہوتا ہوں' آپؐ کی مجلس میں ہوتا ہوں تو ایمان و یقین کے اعتبار سے میرے دل کی کیفیت کچھ اور ہوتی ہے اور جب اپنے گھربار میں جاکر دنیا وی مشاغل میں مصروف ہوجاتا ہوں تو وہ کیفیت برقرار نہیں رہتی ۔ یہی تو نفاق ہے! ۔۔۔۔۔ حضرت ابوبکرؓ اگر چاہتے تو خود سمجھا سکتے تھے اور ان کی الجھن کو رفع کرسکتے تھے لیکن آپؓ نے فرمایا کہ حنظلہ یہ کیفیت تو میری بھی ہے ۔ تو آؤ چلو' حضورؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر دریافت کریں کہ یہ معاملہ کیا ہے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری ہوئی' معاملہ پیش کیا گیا'آپؐ نے فرمایا اے حنظلہ' جو کیفیت میری صحبت میں اور میری مجلس میں تمہیں حاصل ہوتی ہے وہ ہمیشہ باقی رہنے والی نہیں ہے: "**فانّھا یا حنظلۃُ ساعۃً فساعۃً**" یہ تو وہ دولت ہے جو کبھی کبھار میسر آتی ہے' باقی رہا کیفیات کا یہ فرق تو یہ بالکل فطری ہے' یہ نفاق نہیں ہے۔ آپؐ نے مزید فرمایا کہ یہ تمہاری وہ کیفیت کہیں اگر مستقل اور دائم ہوجائے تو فرشتے تم سے تمہارے بستروں پر مصافحہ کرنے لگیں گے !!۔۔۔۔ بہرحال نفاق سے جس درجے آج مسلمان اپنے آپ کو محفوظ و مامون سمجھتے ہیں' صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا معاملہ ایسا نہیں تھا۔

ہمارا حال یہ ہے کہ قرآن کو پڑھتے ہوئے جب منافقین کا ذکر آتا ہے' جب ہم ان آیات کو پڑھتے ہیں جن میں منافقین پر سخت انداز میں گرفت کی گئی ہے تو ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ان آیات اور ان مضامین کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے' ان آیات میں ہم سے کوئی بحث نہیں' یہ کوئی اور ہی مخلوق ہے جس کے بارے میں یہ ساری باتیں ہو رہی ہیں۔ گویا کہ قرآن مجید کے ان مقامات اور ان آیات سے ہم بالکل محروم رہ جاتے ہیں۔

نفاق کی ہلاکت خیزی

اب ذرا ایک نظر اس مرض نفاق کی ہولناکی اور اس کی ہلاکت خیزی پر بھی ڈالئے۔ اس کا ایک نقشہ تو ان شاء اللہ سورۃ المنافقون میں ہمارے سامنے آئے گا' تاہم اس ضمن میں سورۃ النساء کی یہ آیت بھی بہت قابل توجہ بلکہ لرزہ خیز ہے: "**اِنَّ الْمُنٰفِقِیْنَ فِی الدَّرْکِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ**" کہ منافقین آگ کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے۔ معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو کفر کے معاملے میں نفاق زیادہ مبغوض اور ناپسند ہے۔ کافر کا معاملہ یہ ہے کہ وہ کھلم کھلا سامنے آکر مقابلہ کرتا ہے' جو کچھ اس کے باطن میں ہوتا ہے اسی کا باہر اعلان کرتا ہے۔ کافروں میں وہ بھی ہیں جو اپنے باطل دین یا اپنے مشرکانہ اوہام و عقائد کے لئے گردنیں کٹوا کر اپنے کردار کی پختگی کا ثبوت دے جاتے ہیں۔ ابوجہل اسی نوع کا ایک کردار تھا جس نے اپنے معبودانِ باطل اور دین باطل کے لئے اپنی گردن کٹوا دی۔ اس کے مقابلے میں منافقانہ کردار بڑا گھناؤنا کردار ہے اور اللہ کی نگاہ میں انتہائی مبغوض اور ناپسندیدہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سخت ترین سزا اللہ تعالیٰ نے منافقین ہی کے لئے تیار کی ہے۔

اسی کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ منافقین کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت ور استغفار سے محروم کردیا گیا۔ سورۃ المنافقون میں یہ بات بڑے دو ٹوک انداز میں آئی ہے کہ منافقین کے حق میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا استغفار بھی اللہ کے یہاں مقبول نہیں ہے۔ یہی مضمون سورۃ التوبہ میں اپنی انتہائی صورت میں آیا ہے۔ وہاں فرمایا: "**اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ**" کہ اے نبی اللہ تعالیٰ ان منافقین سے اس درجے ناراض ہے کہ اگر آپ ستر مرتبہ بھی ان کے لئے استغفار کریں گے تب بھی

اللہ تعالیٰ ان کو معاف نہیں کرے گا۔ یہ ہے درحقیقت نفاق کی ہولناکی اور انجام کے اعتبار سے اس کی ہلاکت خیزی! ـــــ لہٰذا اس راہ میں آنا ہے تو دل و دماغ کے یکسو فیصلے اور ہرچہ بادا باد کی شان کے ساتھ آنا ہوگا۔ ع "جس کو ہو دین و دل عزیز اس کی گلی میں جائے کیوں۔" تحفظات کے ساتھ مت آؤ' جان و مال کو کسی طور سے سلامت رکھنے کا فیصلہ کر کے نہ آؤ بلکہ طے کر کے آؤ کہ جو تقاضا ہوگا حاضر ہوں گے' جو مطالبہ کیاجائے گا پورا کریں گے۔ تبھی نفاق سے محفوظ رہ سکو گے!!

نفاق سے بچاؤ کا ذریعہ ـــــ ذکرِ الٰہی

اب ذرا ہمیں اس پہلو سے بھی غور کرنا ہے کہ مرض نفاق سے بچاؤ کا ذریعہ اور طریقہ کون سا ہے! ـــــ ظاہر بات ہے کہ نفاق ضد ہے ایمان کی۔ یہ بات ذہن میں رہے کہ ایمان کی ضدیں (Antonyms) دو ہیں' ایک قانونی یا ظاہری اعتبار سے اور دوسری باطنی اعتبار سے۔ قانونی اعتبار سے مومن کے مقابلے میں کافر کا لفظ آتا ہے۔ بلکہ یہاں مومن کی بجائے مسلم کا لفظ زیادہ موزوں ہے۔ چنانچہ قانونی اعتبار سے تو دو ہی درجے ممکن ہیں: کافر یا مسلم۔ تاہم باطنی اعتبار سے اور دلی کیفیات کے لحاظ سے ایمان کی ضد ہے نفاق! ـــــ اس پہلو سے مومن کے مقابلے میں منافق کا لفظ آتا ہے' گویا حقیقت کے اعتبار سے ایمان کی ضد نفاق ہے اور قانونی اعتبار سے کفر! ـــــ لہٰذا اگر کوئی شخص اپنے آپ کو نفاق سے بچانا چاہتا ہے اور نہیں چاہتا کہ کبھی اس مرض کی چھوت اسے لگے تو اس کی ایک ہی صورت ہے اور وہ یہ کہ اپنے ایمان کی حفاظت کرے اور اسے مستحکم رکھنے کی فکر کرے۔ اور ایمان کی آبیاری' اس کی تقویت اور اس کو سرسبزوشاداب رکھنے کا حقیقی اور مؤثر ذریعہ ذکرِ الٰہی کے سوا اور کوئی نہیں! تلاوتِ قرآن حکیم اور نماز ذکر کی اعلیٰ ترین صورتیں ہیں یا پھر دوامِ ذکر کی وہ صورت جس کا تذکرہ پچھلے سبق یعنی سورۃ الجمعہ میں تھا: وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ○ اللہ کا ذکر کثرت کے ساتھ کرتے رہا کرو' اس کی یاد کو اپنے دل میں ہردم تازہ رکھو' اس سے لو لگائے رکھو' آخرت کو مستحضر رکھو اور جان لو کہ تمہاری اصل منزل یہ دنیا نہیں' آخرت ہے۔ ذٰلِكَ يَوْمُ التَّغَابُنِ ہار اور جیت کے فیصلے کا دن وہ ہے ـــــ اور اگر کہیں مرض نفاق

کی کوئی چھوت تمہیں لگ گئی ہو ' انفیکشن ہو گئی ہو ' اس مرض نے دل میں کچھ جڑیں جمالی ہوں تو اب اس کا علاج کرنا ہو گا اور وہ علاج ہے انفاق !ــــــ

نفاق کا علاج ـــــ انفاق

دلچسپ بات یہ ہے کہ "نفاق" اور "انفاق" دونوں کا سہ حرفی مادہ ایک ہی ہے یعنی "ن ف ق "۔ اس سے " نفق" اور "نافقاء" کے الفاظ آتے ہیں جس سے منافقت کا لفظ نکلا ہے اور اسی مادے سے "نَفَقَ یَنفُقُ" کے الفاظ مشتق ہیں جن سے باب اِفعال میں "اِنفاق" بنتا ہے یعنی خرچ کر دینا اور کھپا دینا۔ یہی انفاق دراصل منافقت کا تیر بہدف علاج ہے۔ اللہ کی راہ میں جان و مال خرچ کرو ' لگاؤ اور کھپاؤ ! دل کی دنیا کو اس مال کی محبت اور اس کی نجاست سے پاک و صاف کرو !ــــــ دنیا کا تمام مال و اسباب محض برتنے اور استعمال کرنے کی چیز ہے (مَتَاعُ الْحَیٰوۃِ الدُّنیا) لیکن دیکھنا اس کی محبت دل میں راسخ نہ ہونے پائے ' یہ مال و دولتِ دنیا کسی درجے میں بھی تمہارا مطلوب و مقصود نہ بن جائے !ــــــ اس کا ذریعہ یہی ہے کہ جو مال و دولت اللہ نے تمہیں عطا کیا ہے اسے زیادہ سے زیادہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ مال کی محبت کو دل سے کھرچنے اور نفس کے تزکیے کیلئے یہ عمل بہت ضروری ہے۔ سورۃ المؤمنون کے درس میں یہ بات آئی تھی ' وہاں اہلِ ایمان کا ایک اہم وصف یہ بیان ہوا تھا۔ "وَ الَّذِیْنَ ھُمْ لِلزَّکٰوۃِ فَاعِلُوْنَ ○" ــــــ وہ لوگ کہ جو زکوٰۃ پر کاربند رہتے ہیں یعنی نفس کے تزکیے کے لئے اپنا مال پیہم اللہ کی راہ میں خرچ کرتے رہتے ہیں ــــــ یہ مضمون سورۃ المنافقون کے آخری حصے میں تفصیل سے آئے گا۔ اس سے قبل سورۃ التغابن کے آخر میں بھی ہم نے دیکھا کہ اس جانب اشارہ موجود تھا:"وَ اَنْفِقُوْا خَیْرًا لِّاَنْفُسِکُمْ ؕ وَ مَنْ یُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○"کہ خرچ کرو' اس میں تمہارا بھلا ہے اور جو کوئی جی کے لالچ سے بچا لیا گیا وہی لوگ فلاح پائیں گے ــــــ تاہم یہ مضمون اپنے نقطۂ عروج کو پہنچا ہوا نظر آئے گا سورۃ الحدید میں جو ہمارے اس منتخب نصاب کا آخری مقام ہے۔ "انفاق فی سبیل اللہ کا مضمون ان شاء اللہ العزیز وہاں پورے شرح و بسط کے ساتھ آئے گا ــــــ بہرحال نفاق کے بارے میں یہ وہ چند بنیادی باتیں ہیں جو جان لینی ضروری ہیں۔ ان کی روشنی میں

(باقی صفحہ ۷۹ پر)

"اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ"
کا مفہوم اور اطاعتِ رسولؐ کے مختلف پہلو

سورۃ التغابن کی آیت ۱۲ کی روشنی میں

امیر تنظیمِ اسلامی کے ۱۵/ اگست ۹۲ء کے درسِ قرآن سے ماخوذ

نحمدہ و نصلّی علی رسولہ الکریم

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرّجیم بسم اللّٰہ الرّحمٰن الرّحیم ○

وَاَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَاَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ ۚ فَاِنۡ تَوَلَّیۡتُمۡ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوۡلِنَا الۡبَلٰغُ الۡمُبِیۡنُ ○

"اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی۔ پھر اگر تم روگردانی کرو تو جان لو کہ ہمارے رسول پر سوائے پہنچا دینے کے کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔"

سورۃ التغابن کے مضامین کا تعارف

سورۃ التغابن دو رکوعوں پر مشتمل ہے۔ پہلے رکوع میں ۱۰ اور دوسرے رکوع میں ۸ آیات ہیں۔ پھر پہلے رکوع کے بھی دو حصے ہیں۔ پہلی سات آیات میں ایمانیاتِ ثلاثہ کا بیان ہے۔ یعنی خبریہ (Narrative) انداز میں توحید، معاد اور رسالت جیسے حقائق کسی قدر وضاحت کے ساتھ بیان کر دیئے گئے ہیں۔ اگلی تین آیات (۸ تا ۱۰) دعوتِ ایمان پر مشتمل ہیں کہ اِن حقائق پر ایمان لاؤ، انہیں مانو، انہیں تسلیم کرو!

دوسرے رکوع کی آٹھ آیات میں سے پہلی پانچ آیات ایمان کے ثمرات و نتائج اور اس کے مضمرات پر مشتمل ہیں۔ حقیقی ایمان اگر دلوں میں جاگزیں اور ذہن و فکر کے

اندر پیوست ہو گیا ہو' رچ بس گیا ہو تو اس کے کچھ ثمرات و نتائج نکلنے چاہئیں جیسا کہ ایک مقولہ ہے کہ "درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے"۔ تو قلب کے اندر اگر وہ مخفی حقیقت جس کا نام "ایمان" ہے موجود ہے تو اس کی پہچان جن ثمرات سے ہوتی ہے انہیں ان پانچ آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ پھر آخری تین آیات میں ان تقاضوں کو پورا کرنے کی بڑی پر زور دعوت دی گئی ہے۔

آیت زیر درس کا محل و مقام

دوسرے رکوع کی پہلی پانچ آیات جن میں ایمان کے مضمرات کو واضح کیا گیا ہے' ان میں سے چار آیات کا تعلق انسان کے فکر و عمل سے ہے۔ یعنی ایمانِ حقیقی حاصل ہونے کے بعد انسان کی سوچ اور اس کے زاویۂ نگاہ میں کیا انقلاب آنا چاہئے اور اس کے باطنی احساسات میں کیا تبدیلی آنی چاہئے۔ جب اس نے اللہ کو مانا ہے تو اسے اللہ کی رضا پر راضی رہنا چاہئے' اسے تسلیم و رضا کی کیفیت کا حامل ہونا چاہئے اور اللہ سے کسی شکوہ و شکایت یا ناراضگی کی کیفیت میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے۔ اسی طرح اس کا سارا دار و مدار' بھروسہ' توکل اور تکیہ اسباب و وسائل پر نہیں' بلکہ مسبّب الاسباب یعنی ذاتِ باری تعالیٰ پر ہو جانا چاہئے۔ پھر یہ کہ دنیا میں جتنی بھی چیزوں سے اس کا تعلق ہے' خواہ وہ کہ جن سے اس کا سلسلۂ حیات وابستہ ہے' یعنی معاشی اسباب و ذرائع وغیرہ' خواہ وہ علائقِ دنیوی کے زمرے سے ہوں' ان کے بارے میں اس کے نقطۂ نظر میں واضح تبدیلی آنی چاہئے۔ انسان کو آگاہ رہنا چاہئے کہ جہاں محبت ہو وہیں خطرہ ہوتا ہے۔ انسان کو اپنی اولاد' والدین' اعزہ و اقارب اور بیویوں (اور بیویوں کو شوہروں) سے جو طبعی محبت ہے یہی در حقیقت خطرے کی علامت ہے۔ یہ محبت اگر ایک حد کے اندر رہے' یعنی اللہ کی محبت کے تابع رہے تو صحیح ہے' درست ہے' لیکن اگر یہ اس حد سے بڑھ جائے تو انسان کی عاقبت برباد ہوجاتی ہے۔ یہ ہے نقطۂ نظر کی وہ تبدیلی جو ایمان کا تقاضا ہے۔ یعنی مال و اسبابِ دنیوی اور اولاد کو ایک فتنہ و آزمائش سمجھنا چاہئے کہ ان کے ذریعے اللہ تعالیٰ ہمیں آزما رہا ہے۔ چنانچہ ان پانچ آیات میں سے چار آیات انسان کے فکر و نظر کی تبدیلی کے بیان پر مشتمل ہیں' جبکہ صرف ایک آیت عمل سے متعلق ہے۔ اور یہی وہ آیت ہے

جو ہماری آج کی گفتگو کا مرکز و محور ہے:

وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ۝

"اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو (اس کے) رسول کی۔ پھر اگر تم روگردانی کرو تو جان لو کہ ہمارے رسول پر سوائے پہنچا دینے کے کوئی ذمہ داری نہیں۔"

رسولؐ کی ذمہ داری اللہ کے احکام پہنچا دینا ہے۔ اس کے بعد ان احکام پر عمل کرنا سراسر تمہاری اپنی ذمہ داری ہے اور اس کی جوابدہی خود تمہیں کرنی ہو گی۔ جس طرح ایمانی حقائق تو اپنی جگہ اٹل ہیں، کوئی مانے تب بھی اور کوئی نہ مانے تب بھی، لیکن انہیں ماننے میں تمہاری فلاح و کامیابی ہے، اسی طرح اللہ کے احکام تو اپنی جگہ برحق ہیں، واجب التعمیل ہیں، لیکن تمہیں ان پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے۔ اگر تم ان پر عمل کرو گے تو اس میں تمہاری فلاح و نجات اور اللہ کی رضا ہے۔

اطاعت کے مضمرات

یہاں یہ نسبت و تناسب قابلِ توجہ ہے کہ ثمراتِ ایمانی میں اصل اہمیت گویا فکر و نظر کی تبدیلی کی ہے، جس کا نتیجہ انسان کے عمل کی تبدیلی کی صورت میں نکلتا ہے۔ چنانچہ یہاں چار آیات فکر و نظر کی تبدیلی پر اور صرف ایک آیت عمل کی تبدیلی کے بارے میں وارد ہوئی ہے، اگرچہ یہ ایک آیت اپنے طور پر اس قدر اہم اور جامع ہے کہ اگر اس پر نگاہ کو جما لیا جائے تو واقعہ یہ ہے کہ اس پر "تل کی اوٹ میں پہاڑ" والا محاورہ صادق آتا ہے، یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ "سو سنار کی اور ایک لوہار کی" یا "ہاتھی کے پاؤں میں سب کا پاؤں" والا معاملہ نظر آتا ہے، اس لیے کہ ایک لفظ "اطاعت" میں شریعت کے تمام اوامر و نواہی مضمر ہیں۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ "اللہ کا حکم مانو" تو اس سے مراد اللہ کے تمام احکام ہوتے ہیں، کیونکہ اللہ کا حکم نماز پڑھنے کا بھی ہے، رمضان کے روزے رکھنے کا بھی ہے، صاحبِ نصاب ہونے کی صورت میں زکوٰۃ ادا کرنے کا بھی ہے، اور صاحبِ استطاعت کے لیے حج کرنے کا بھی ہے۔ پھر یہ بھی اللہ کا حکم ہے کہ اس کے دین کی

دعوت دو' دین کی تبلیغ و اشاعت کرو' نیکی کا حکم دو اور بدی سے روکو! یہ بھی اللہ کا حکم ہے کہ حلال کو حلال جانو اور حرام کو حرام جانو' حلال پر قناعت کرو اور حرام سے اجتناب کرو! اور یہ بھی اللہ کا حکم ہے کہ دین کے لیے جہاد کرو' کلمۂ حق کہو' عدل و قسط پر قائم رہو' حق کے علمبردار بن جاؤ' انصاف کے گواہ بن کر کھڑے ہو جاؤ ـــــــ اور اللہ کے دین کو قائم کرو! پھر یہ کہ اس کے لیے جان کھپاؤ' مال کھپاؤ اور اگر ضرورت پڑے تو نقدِ جان ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں آجاؤ!ـــــ یہ سب احکام ہی تو ہیں' لیکن ہمارا المیہ یہ ہے کہ قرآن میں جہاں اللہ کا حکم ماننے کی بات ہوتی ہے ہمارا ذہن نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ سے آگے کچھ نہیں سوچتا۔ یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ سور نہیں کھانا' شراب نہیں پینی اور زنا نہیں کرنا۔ اس سے آگے اللہ کا کوئی حکم ہمارے سامنے ہے ہی نہیں۔

ہمارے ہاں عمل کا جو سارا فساد پیدا ہوا ہے اس کی سب سے بڑی وجہ تو ایمان کا فقدان ہے۔ جس چیز کو ایمان سمجھا جاتا ہے وہ محض ایک موروثی عقیدہ (Racial Creed) ہے جو ماں باپ کی طرف سے چلا آرہا ہے۔ حقیقی ایمان کا حال تو یہ ہے کہ ؎"ڈھونڈ اب اس کو چراغِ رخِ زیبا لے کر!" کے مصداق تلاش کرنے پر بھی شاید کہیں نظر آجائے۔ پھر یہ کہ جہاں ایمان کچھ موجود بھی ہے وہاں فرائض کا تصور محدود ہے اور سارے کا سارا ایمانی جوش و جذبہ انہی "عبادات" کے اندر پورا ہو جاتا ہے۔ جوں جوں ایمانی جذبہ ترقی کرتا ہے تو انسان فرائض کے بعد مستحبات و نوافل میں آگے بڑھتا چلا جاتا ہے ـــــــ لیکن وہ یہ نہیں سوچتا کہ اللہ کے احکام تو سب کے سب برابر ہیں' اللہ کا حکم جس طرح زنا اور شراب کی حرمت کا ہے اس سے کہیں بڑھ کر سود کی حرمت کا بھی ہے اور یہ کہ اگر وہ اللہ کے احکام میں کہیں اپنی پسند اور مرضی سے یا اپنی سہولت اور مصلحت کی خاطر ذرا سی بھی تفریق اور تقسیم کرلے تو اس طرزِ عمل کے لیے قرآن میں بہت سخت وعید آئی ہے:

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○

یعنی کیا تم ہماری کتاب و شریعت اور ہمارے اوامر و نواہی کے ایک حصے کو مانتے ہو اور

ایک حصے کو نہیں مانتے ؟ تو کوئی سزا نہیں ہے اس کی جو تم میں سے یہ روش اختیار کرے سوائے اس کے کہ اسے دنیا میں ذلیل و خوار کر دیا جائے اور آخرت میں شدید ترین عذاب میں جھونک دیا جائے۔ اور اللہ غافل نہیں اس سے جو کچھ کہ تم کر رہے ہو!

اس اعتبار سے آپ غور کیجئے کہ "اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ" کہنے کو تو دو چھوٹے چھوٹے جملے ہیں' لیکن ان میں ایک قیامت مضمر ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ یہاں تِل کی اوٹ میں پہاڑ موجود ہے۔ شریعت کے تمام اوامر و نواہی اور تمام دینی ذمہ داریوں کا ذکر ان چند الفاظ میں موجود ہے :

وَ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ ۚ

"اور اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسولؐ کی!"

اس کے ساتھ ہی بڑے استغناء کے انداز میں یہ فرما دیا گیا کہ اگر تم نے روگردانی کی' پیٹھ دکھائی' اعراض کیا' انکار کیا تو اس میں اللہ کا کوئی نقصان ہے نہ اس کے رسولؐ کا :

فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ فَاِنَّمَا عَلٰی رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ○

"پھر اگر تم نے روگردانی کی تو جان لو کہ ہمارے رسول کی ذمہ داری صرف پہنچا دینے کی ہے!"

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اپنی ذمہ داری ادا فرما دی' وہ فارغ ہوئے' اب عمل کی ذمہ داری تمام تر تم پر ہے' اور اگر تم اس میں کوتاہی کرو گے تو اللہ کی کوئی احتیاج تمہارے ساتھ وابستہ نہیں ہے' اس کا کوئی کام تمہاری اطاعت کے بغیر رکا ہوا نہیں ہے' جیسا کہ ایک حدیثِ قدسی میں الفاظ آئے ہیں کہ :"اے میرے بندو' اگر تمہارے اولین بھی اور آخرین بھی' انسان بھی اور جن بھی' سب کے سب اتنے متقی ہو جائیں جتنا کہ تم میں کوئی بڑے سے بڑا متقی ہو سکتا ہے' تب بھی میری سلطنت اور میرے کارخانۂ قدرت میں کوئی اضافہ نہیں ہو گا ـــــ اور اگر تمہارے اولین و آخرین اور انس و جن سب کے سب ایسے ہو جائیں جتنا کہ تم میں کوئی زیادہ سے زیادہ سرکش و نافرمان ہو سکتا ہے تب بھی میری سلطنت میں کوئی کمی نہیں آئے گی"۔ (یہ حدیث حضرت ابو ذر غفاریؓ سے مروی ہے اور صحیح مسلم میں مذکور ہے) ـــ معلوم ہوا کہ اللہ تو غنی ہے' اِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ' لیکن اس کے احکامات کی پابندی میں خود ہماری خیر اور بھلائی ہے۔

آیتِ زیرِ درس کے مطالعہ کا آغاز کرنے سے پہلے یہ نسبت و تناسب ذہن میں ایک بار پھر تازہ کر لیجئے کہ یہاں فکر و نظر کی تبدیلی پر چار آیات اور دعوتِ عمل پر صرف ایک آیت آئی ہے* اس لیے کہ تمام فرائض کی ادائیگی اور تمام اوامر و نواہی کی پابندی کا دارومدار ہی فکر و نظر کی تبدیلی پر ہے۔ یہ تبدیلی گہرائی اور گیرائی کے اعتبار سے جس قدر زیادہ ہوگی، اس کے اندر جس قدر زیادہ پختگی اور دوام ہوگا اور ایمان حقیقی جس قدر قلب کی گہرائیوں میں راسخ اور فکر و نظر میں پیوست ہو جائے گا اسی قدر انسان کے لیے ممکن ہوگا کہ وہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کر سکے۔ لہٰذا یہ دونوں چیزیں باہم لازم و ملزوم کے درجے میں ہیں۔ اب ہم اس آیت مبارکہ کے ایک ایک لفظ پر غور کرتے ہیں۔

آیاتِ قرآنی کی روشنی میں اطاعت کا مفہوم

قرآن حکیم کے منتخب نصاب میں لفظ ''اطاعت'' اس سے قبل صرف ایک جگہ یعنی سورۂ لقمان کے دوسرے رکوع میں آیا ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت لقمان کی نصائح میں جو اضافہ کیا گیا اس میں یہ مضمون آیا ہے کہ اگر مشرک والدین تم پر دباؤ ڈالیں کہ تم اللہ کے ساتھ شرک کرو تو ان کی اطاعت مت کرو! وہاں الفاظ آئے ہیں: **فَلَا تُطِعْهُمَا** کہ پھر تم ان کا کہنا مت مانو، یہاں وہ اپنی حدود سے تجاوز کر رہے ہیں۔ اگرچہ والدین کا مقام اتنا بلند ہے کہ اللہ نے اپنے شکر کے فوراً بعد والدین کے شکر کو لازم قرار دیا (**اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ**) لیکن اگر وہ اپنے اس مقام سے مزید بلند ہو کر اللہ سے بھی بالاتر ہونا چاہتے ہیں اور اللہ کے احکام کے خلاف کوئی حکم دینا چاہتے ہیں تو ان کا کہنا نہیں مانا جائے گا، کیونکہ **"لا طاعۃَ لمخلوقٍ فی معصیۃِ الخالق"** یعنی جس معاملے میں اللہ کی معصیت لازم آتی ہو اس معاملے میں مخلوق میں سے کسی کی بھی اطاعت نہیں کی جا سکتی! ـــــ لیکن اصلاً یہ آیتِ مبارکہ (آیت زیر درس) ہمارے منتخب نصاب میں اطاعت کی تاکید پر مشتمل پہلا مقام ہے۔

لفظ اطاعت اگرچہ عام طور پر کسی بھی حکم برداری، فرماں برداری، کسی کے حکم کو مان لینے اور اس کی تعمیل کرنے کے لیے استعمال ہو جاتا ہے، چاہے وہ برضا و رغبت اور دلی آمادگی سے ہو، چاہے بالجبر ہو، لیکن در اصل اس لفظ کا مادہ ''طوع'' ہے جو ''کرہ''

(مجبوری یا کراہت کے ساتھ کسی کا حکم ماننا) کی ضد ہے۔ چنانچہ یہ لفظ (طوع) قرآن حکیم میں "کرہ" کی ضد کے طور پر تین مقامات پر آیا ہے:

(۱) سورۂ آل عمران کی آیت ۸۳ میں فرمایا:

وَلَہٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ کَرْھًا

کہ آسمانوں اور زمین میں جو بھی مخلوقات ہیں وہ سب کی سب اللہ کے حضور میں جھکی ہوئی ہیں، اس کے آگے سر تسلیم خم کیے ہوئے ہیں، دلی آمادگی کے ساتھ بھی اور کراہت کے ساتھ بھی! ـــــ کیونکہ ان کے لیے کوئی اور چارہ کار ہے ہی نہیں۔ خود ہمارا حال یہ ہے کہ ہمارے وجود کا اکثر و بیشتر حصہ جبراً اللہ کی اطاعت کر رہا ہے، اس لیے کہ ہمارے اس جسمانی وجود کی پوری فزیالوجی اور پورا جسمانی نظام اللہ کے قانون میں جکڑا ہوا ہے۔ ہم تو اس پر بھی قادر نہیں کہ اپنی مرضی سے اپنے جسم کے کسی حصے پر بالوں کا اگنا بند کردیں۔ البتہ جہاں اس نے ہمیں اپنا اختیار استعمال کرنے کی کچھ اجازت دی ہے وہاں اگر ہم اپنے اختیار سے اس کے دیئے ہوئے اختیار کو اسی کے قدموں میں ڈال دیں تو یہی ہماری کامیابی ہے۔

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

اس اعتبار سے "طوع" اور "کرہ" دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں۔

(۲) اسی طرح سورۃ الرعد کی آیت ۱۵ جو آیت سجدہ ہے، کے الفاظ ہیں:

وَلِلّٰہِ یَسْجُدُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ کَرْھًا

کہ اللہ کے لیے سجدے میں گری ہوئی ہے ہر شے جو آسمانوں اور زمین میں ہے، طوعاً بھی اور کرہاً بھی ـــــ یعنی بطوعِ خاطر اور بطیبِ خاطر، دلی آمادگی کے ساتھ بھی اور جبری طور پر بھی۔ کسی کا جی چاہے نہ چاہے اسے اس کی اطاعت تو کرنی ہے۔

(۳) سورۂ حٰم السجدہ (آیت ۱۱) میں "طَوْعًا اَوْ کَرْھًا" کے الفاظ آئے ہیں۔ یعنی حرف عطف "وَ" کے بجائے "اَوْ" لایا گیا ہے جو واضح کرتا ہے کہ یہ دونوں چیزیں ایک دوسری کی ضد اور مد مقابل ہیں۔ فرمایا گیا:

فَقَالَ لَھَا وَلِلْاَرْضِ ائْتِیَا طَوْعًا اَوْ کَرْھًا

کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین دونوں کو حکم دیا کہ چلے آؤ' طوعًا یا کرھًا' چاہے اپنی مرضی سے' چاہے مجبوری سے۔ یہ احکام ہیں جو ہم نے تمہارے لیے طے کر دیئے ہیں' اب چاہے اپنی دلی خواہش سے ان پر عمل پیرا رہو چاہے جبرًا ان پر عمل کرو' بہرحال یہ تو تمہیں کرنا ہی ہے!

ایمان اور اطاعت کا باہمی تعلق

مذکورہ بالا تین آیات کے بعد ایک آیت سورۃ الاحزاب کی ملاحظہ فرمائیے۔ سورۃ الاحزاب کی آیت ۳۵ میں دین کے عملی تقاضوں کا بیان ہے۔اس کے بعد آیت ۳۶ میں ارشاد ہوتا ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ ؕ

"کسی مومن مرد اور کسی مومن عورت کے یہ شایانِ شان ہے ہی نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے کا فیصلہ فرمادیں تو پھر بھی اپنے معاملے میں ان کے پاس کوئی اختیار باقی رہ جائے"۔

یعنی اگر یہ احساس ابھرے بھی کہ اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے کے بعد بھی میرے پاس کچھ اختیار اور چوائس موجود ہے تو پھر ایمان کہاں رہا؟ اس سے تو ایمان کی نفی ہوگئی۔ جب اللہ اور اس کے رسول کو مانا ہے تو اپنا اختیار ختم ہوگیا۔ ہاں جب تک کوئی حکم نہ آئے' یا فرض کریں حکم تو موجود ہے لیکن آپ کے علم میں نہیں آیا تو آپ کا اختیار برقرار ہے۔ آپ اللہ کے ہاں اس سے اپنی ناواقفیت کے عذر کو پیش کر سکیں گے اور جن کے ذمہ آپ تک یہ حکم پہنچانا تھا وہ مسئول ٹھہریں گے ---- لیکن یہ جاننے کے بعد بھی کہ یہ اللہ کا حکم ہے' یہ اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کا فرمان ہے' یہ سمجھنا کہ ابھی اس معاملے میں میرا اختیار باقی ہے' ایمان کے منافی طرزِ عمل ہے۔ آیت کا آخری ٹکڑا ہے:

وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِيْنًا ۝

"اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کا ارتکاب کرے گا (تو وہ جان

لے کہ) وہ تو بڑی ہی صریح گمراہی میں مبتلا ہو گیا۔"
اللہ تعالیٰ مجھے ' آپ کو اور تمام اہل ایمان کو اس سے بچائے۔

ہر انسان کی انفرادی شخصیت کے دو رخ ہیں۔ ایک یہ کہ کچھ حالات و کیفیات ' خواہ خوش گوار ہوں یا ناگوار ' اس پر وارد ہوتی ہیں ' اگرچہ یہ اسباب و وسائل کے ایک طویل سلسلے کے ذریعے سے اس تک پہنچیں۔ اور دوسرے یہ کہ اس کے تمام اعضاء و جوارح سے کچھ نہ کچھ صادر یا خارج ہوتا ہے۔ ہم زبان سے بات کرتے ہیں تو اس کے لئے ہمارے دماغ کا ایک بڑا حصہ ' عضلات کا ایک پورا سلسلہ اور ہماری زبان اور ہونٹ کام کرتے ہیں ' تب کہیں جا کر الفاظ ادا ہوتے ہیں۔ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ ہم پر جو کچھ وارد ہو ' خواہ وہ کسی بھی سلسلۂ اسباب سے ہو کر آ رہا ہو ' سمجھا جائے کہ یہ منجانب اللہ ہے۔ اگرچہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ درمیان میں عمل کرنے والا ذمہ دار نہیں رہا ' وہ اگر ظلم کر رہا ہے تو اسے اس کے ظلم کی سزا دی جائے گی ' البتہ ہمیں یہی سمجھنا چاہئے کہ بغیر اذنِ رب ہم پر کوئی شے وارد نہیں ہو سکتی۔ لیکن دوسری طرف جو کچھ ہم سے صادر ہو رہا ہے وہ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کے سانچے میں ڈھل کر صادر ہونا چاہئے۔ اس کے لئے مجھے فانی کا یہ اندازِ تعبیر بہت پسند ہے۔

فانی ترے عمل ہمہ تن جبر ہی سہی
سانچے میں اختیار کے ڈھالے ہوئے تو ہیں

اس شعر میں جبریہ کے نقطۂ نظر کی ترجمانی بڑی خوبصورتی سے کی گئی ہے ' اگرچہ ہم اس موقف کو صد فیصد درست نہیں سمجھتے۔ انسان میں اللہ تعالیٰ نے ایک قدرت بھی رکھی ہے اور اسے اختیار بھی دیا ہے کہ اِمَّا شَاکِرًا وَّ اِمَّا کَفُوْرًا ـــــ لیکن ایک نقطۂ نظر یہ ہے کہ انسان مجبور محض ہے۔

ناحق ہم مجبوروں پر یہ تہمت ہے مختاری کی
چاہیں ہیں سو آپ کریں ہیں ہم کو عبث بدنام کیا

یہ ایک پورے فلسفیانہ مکتب فکر کا نظریہ ہے ' جسے فانی نے اپنے شعر میں بیان کر دیا ہے ' لیکن بہرحال ان کے نزدیک انسانی اعمال کا معاملہ یہ ہے کہ ؎

سانچے میں اختیار کے ڈھالے ہوئے تو ہیں!

اسی کو غنیمت سمجھو کہ تمہیں تمہارے خالق نے اختیار کا ایک احساس تو دیا ہے اور تم یہ محسوس کرتے ہو کہ میں یہ اپنی مرضی سے کر رہا ہوں ــــــ فانی کے اس انداز تعبیر کو اختیار کرتے ہوئے میں کہا کرتا ہوں کہ ہمارے اعمال کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے سانچے میں ڈھلے ہوئے ہونا چاہئے۔ ہمارا ہر عمل خواہ وہ آنکھ سے ہو رہا ہو' ہاتھ سے ہو رہا ہو یا زبان سے ہو رہا ہو' اس کے بارے میں ہمیں محتاط رہنا چاہئے کہ وہ اطاعت کے اس سانچے سے باہر نہ رہے۔ اس میں شک نہیں کہ بعض اعمال غیر اختیاری طور پر بھی صادر ہو جاتے ہیں' مثلاً راہ چلتے کوئی ایسی آواز آپ کے کانوں میں پڑ گئی جس کا بِالارادہ سننا گناہ ہے' یا اچانک کسی نامحرم پر نگاہ پڑ گئی' لیکن یہی اعمال اگر اپنے ارادہ و اختیار سے کئے جائیں تو ان کی نوعیت میں زمین آسمان کا فرق واقع ہو جاتا ہے۔ چنانچہ جہاں بھی آپ کے اختیار کا سانچہ موجود ہے اس میں سے برآمد ہونے والا ہر عمل گویا اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کے سانچے میں ڈھلا ہوا ہونا چاہئے۔

ارادہ و عمل کے اختیار کے بارے میں ایک متوازن نقطۂ نظر رکھنا بہت ضروری ہے۔ ہمیں جو اختیار حاصل ہے وہ اتنا زیادہ بھی نہیں ہے جتنا عام آدمی سمجھتا ہے' بلکہ ہماری مجبوری کا پہلو بھی یقیناً بہت بڑا ہے۔ مثلاً ہمارا Genetics کا نظام ہمارے اختیار میں نہیں ہے۔ ہمیں جو جینز (Genes) ملے ہیں جن سے ہمارے جسمانی نقش و نگار اور ہماری شخصیت کے خدوخال تیار ہوئے ہیں وہ ہمارے خالق کی طرف سے عطا کردہ ہیں اور ہمیں اس معاملہ میں کسی انتخاب و اختیار کا حق نہیں دیا گیا۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے اعتبارات سے ہم مجبور ہیں' لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس حقیقت سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا کہ انسانی شخصیت میں اختیار کا ایک عنصر بہرحال موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان میں یہ عنصر جس مقدار میں رکھا ہے اسی نسبت سے وہ اس کا محاسبہ کرے گا۔ "اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ" کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ نے جو بھی اختیار دیا ہے اسے اپنے اختیار سے اس کے قدموں میں ڈال دیا جائے۔

اب ظاہر بات ہے کہ اطاعت پر ہی ایمانِ حقیقی کا دارومدار ہے۔ اگر اطاعت موجود ہے تو ایمان موجود ہے' اور اگر اطاعت نہیں ہے تو ایمان بھی نہیں ہے۔ واضح رہے کہ یہاں بات حقیقی ایمان کی ہو رہی ہے نہ کہ قانونی ایمان کی جس کی بناء پر ہم کسی کو دنیا میں

مسلمان سمجھتے ہیں۔ یہ تو ہماری ایک سماجی ضرورت اور مجبوری ہے کہ ہم دنیا میں کسی شخص کو قانونی طور پر مسلمان قرار دینے کے لئے ان ظاہری علامات ہی کا اعتبار کریں گے جو شریعت نے معین کی ہیں۔ کوئی شخص اللہ کی توحید اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار کرتا ہو اور دیگر ارکانِ اسلام کی پابندی کرتا ہو یا کم از کم ان میں سے کسی کا منکر نہ ہو تو اسے قانوناً مسلمان سمجھا جائے گا، اس لئے کہ ہم کسی کے دل میں جھانک کر دیکھنے پر تو قادر نہیں ہیں۔ یہ نکتہ بہت اہم ہے اور ایمان کے ان دونوں درجوں کے فرق کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ ایک طرف یہ بات دو اور دو چار کی طرح واضح ہے کہ ایمان اور اطاعت لازم و ملزوم ہیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اطاعت کے بغیر ایمان کی نفی فرمائی ہے۔ مثلاً حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی متفق علیہ روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ نقل ہوئے ہیں:

لَا یَزْنِی الزَّانِی حین یزنی وھو مؤمنٌ، ولا یسرق السَّارقُ حین یسرق وھو مؤمنٌ، ولا یشرَب الخمرَ حین یشربھا وھو مؤمنٌ......

یعنی کوئی زانی حالتِ ایمان میں زنا نہیں کرتا، کوئی چور حالت ایمان میں چوری نہیں کرتا اور کوئی شراب پینے والا حالت ایمان میں شراب نہیں پیتا۔ بعض احادیث میں آیا ہے کہ گناہ کا ارتکاب کرتے وقت ایسے شخص کا ایمان اس کے دل سے نکل جاتا ہے۔ اس طرح کی احادیث میں ایمان سے مراد حقیقی ایمان ہے۔ دوسری طرف اہل سنت کا متفق علیہ موقف یہ ہے کہ ہر فاسق و فاجر کلمہ گو کو بھی قانونی طور پر مسلمان سمجھا جائے گا اور اس کے گناہ گار ہونے کی بنا پر اس کے ایمان (قانونی) کی نفی نہیں کی جائے گی۔ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے "الفقہ الاکبر" میں، جو فقہ کے میدان میں ان کا اصل کارنامہ ہے اور جس میں ریاست اور قانون سے متعلق بنیادی معاملات و مسائل کو طے کیا گیا ہے، یہ اصول بیان کیا ہے کہ گناہ کبیرہ کا مرتکب بھی کافر نہیں ہے، اس کے قانونی ایمان کی نفی نہیں کی جائے گی۔ ان کا یہ اصول صد فی صد درست ہے۔ البتہ جیسا کہ عرض کیا گیا، حقیقی ایمان کے لئے اطاعت ناگزیر ہے۔ ایک حدیث کے مطابق، جسے امام نوویؒ نے صحیح قرار دیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اصولی طور پر یہ طے فرما دیا ہے کہ

لَا یؤمنُ احدُکم حتّی یکون ھواہ تبعًا لِما جئتُ بہ

"تم میں سے کوئی شخص اُس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشِ نفس اِس (ہدایت) کے تابع نہ ہو جائے جو میں لے کر آیا ہوں۔"

یعنی ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ خواہش نفس میں انقیاد پیدا ہو جائے، خواہشِ نفس دین کے تابع ہو جائے اور اپنے آپ کو اطاعت کے سانچے میں ڈھال دے۔ کھانے کی طلب پیٹ کی طبعی خواہش ہے، لیکن یہ وہی کچھ مانگے جو حلال ہے۔ اسی طرح جنسی تسکین ایک جبلّی خواہش ہے، لیکن اسے صرف اس جائز راستے سے پورا کیا جارہا ہو جو اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے معین کر دیا گیا ہے۔ غرضیکہ جس کسی کو جو کچھ بھی دیا جائے وہ محض طبعی تقاضے یا طبعی محبت کے طور پر نہیں، بلکہ اللہ اور رسولؐ کا معین کردہ حق سمجھ کر دیا جائے۔ اپنے نفس کو بھی محض اس کے طبعی تقاضے سے مجبور ہو کر کچھ نہ دیا جائے بلکہ اللہ کا معین کردہ حق سمجھ کر دیا جائے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: **"انّ لنفسک علیک حقًا، وانّ لزوجک علیک حقًّا، وانّ لزورک علیک حقًّا"** کہ تمہارے نفس کا بھی تم پر حق ہے، تمہاری بیوی کا بھی تم پر حق ہے، تمہارے ملاقاتی کا بھی تم پر حق ہے —— چنانچہ والدین، بھائی بہنوں اور بیوی بچوں میں سے جس کسی کو بھی کچھ دیا جائے وہ اس کا حق سمجھ کر دیا جائے اور وہی کچھ دیا جائے جو اللہ نے معین کر دیا ہے۔ حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی روایت کرتے ہیں:

مَن اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبغَضَ لِلّٰہِ وَاَعطٰی لِلّٰہِ وَمَنَعَ لِلّٰہِ فَقَدِ استَکمَلَ الاِیمَانَ

(رواہ ابوداؤد)

"جس نے کسی سے محبت کی تو اللہ کے لئے کی، کسی سے بغض رکھا تو اللہ کے لئے رکھا، کسی کو کچھ دیا تو اللہ کے لئے دیا اور کسی سے کچھ روکا تو اللہ کے لئے روکا تو اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔"

ایمان اور کا جس طرح چولی دامن کا ساتھ ہے اس کی صراحت ترمذی کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا اٰمَنَ بِالقُرْاٰنِ مَنِ اسْتَحَلَّ مَحَارِمَہٗ

کہ اس شخص کا قرآن پر کوئی ایمان نہیں جس نے اس کی حرام کردہ اشیاء کو اپنے لئے حلال کر لیا ـــــ وہ قرآن کی لاکھ تعظیم کرے، اسے چومے چاٹے، سر پر اٹھائے، اسے اعلیٰ جزدان میں لپیٹے، لیکن اگر اس نے کسی ایسی چیز کو اپنے لئے حلال ٹھہرا لیا ہے جسے قرآن نے حرام ٹھہرایا ہے تو اس کا کوئی ایمان نہیں۔ یہ چند احادیث نمونہ مشتے از خروارے کا مصداق ہیں، ورنہ اس مضمون کی احادیث کا سلسلہ بہت طویل ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے قرآن حکیم کی ایک آیت ملاحظہ کیجئے:

وَلِلّٰہِ عَلَی النَّاسِ حِجُّ الْبَیْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَیْہِ سَبِیْلًا ؕ وَمَنْ کَفَرَ فَاِنَّ اللّٰہَ غَنِیٌّ عَنِ الْعٰلَمِیْنَ ○ (آل عمران: ۹۷)

"اللہ کا حق ہے لوگوں پر اس کے گھر کا حج کرنا جو کوئی بھی اس کی طرف سفر کی مقدرت رکھتا ہو۔ اور جو کفر کرے تو اللہ بے پروا ہے جہان والوں سے۔"

یعنی جو مقدرت کے باوجود حج نہ کرے وہ اصل حقیقت کے اعتبار سے گویا کہ کفر کر رہا ہے۔ اسی طرح یہ مشہور حدیث آپ نے یقیناً سنی ہوگی:

مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ متعمّدًا فقد کفر

"جس نے جان بوجھ کر نماز چھوڑ دی اس نے کفر کیا۔"

نماز اللہ کی طرف سے عائد کردہ ایک فریضہ ہے، جو کوئی اس کو چھوڑ رہا ہے وہ درحقیقت کفر کر رہا ہے، اگرچہ قانونی طور پر اسے کافر قرار نہیں دیا جائے گا۔ تو معلوم ہوا کہ حقیقی کفر اور قانونی کفر میں بھی فرق ہے جس طرح حقیقی ایمان اور قانونی ایمان میں فرق ہے۔ اِن چاروں چیزوں کو گڈمڈ کر دینے سے بہت سے فسادات پیدا ہو جاتے ہیں اور بہت سے فتنے کھڑے ہو جاتے ہیں، جیسا کہ خوارج اور معتزلہ جیسے فتنے اسی وجہ سے پیدا ہوئے۔

اب اس "اطاعت" کے ضمن میں چند بنیادی باتیں مزید نوٹ کر لیجئے:

۱۔ اطاعتِ رسولؐ کی اہمیت : اطاعت اصلاً اللہ کی اور عملاً رسولؐ کی ہے۔ رسولؐ کی اطاعت درحقیقت اللہ کے نمائندے کی حیثیت سے ہے، نہ کہ ان کی ذاتی حیثیت

ہے۔ اس معاملے میں بھی بڑے فرق و امتیاز کی ضرورت ہے۔ اس نکتے کی مزید وضاحت ابھی ہمارے سامنے آجائے گی۔ سورۃ النساء کی آیت ۶۴ میں فرمایا گیا:

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ

"اور ہم نے نہیں بھیجا کسی رسول کو مگر اس لئے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے اِذن سے۔"

یعنی کسی رسولؑ کی اطاعت اس کی ذاتی اطاعت نہیں ہے' بلکہ اس کی اطاعت اللہ کے رسول کی حیثیت سے کی جاتی ہے۔ رسول ' اللہ کا نمائندہ ہے جو انسانوں تک اللہ کا حکم پہنچاتا ہے۔ چونکہ انسانوں تک اللہ کا حکم براہ راست نازل نہیں ہوتا' لہٰذا "**اَطِيۡعُوا اللّٰهَ**" پر عمل "**اَطِيۡعُوا الرَّسُوۡلَ**" کی صورت ہی میں ہو سکتا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اطاعت اصل میں اللہ ہی کی ہے اور رسول کی اطاعت بھی درحقیقت اللہ کی اطاعت ہے' جیسا کہ فرمایا گیا:

مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ(النساء:۸۰)

"جس نے رسول کی اطاعت کی تو اس نے درحقیقت اللہ کی اطاعت کی۔"

اسی طرح سورۃ الشعراء میں حضرت نوح ' حضرت ہود ' حضرت صالح'حضرت لوط اور حضرت شعیب علیہم السلام میں سے ایک ایک رسول کا تذکرہ آیا ہے اور ہر رسول کی دعوت کے ضمن میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں: **فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيۡعُوۡنِ** ○ "پس اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور میری اطاعت کرو!" وہاں اللہ کے ساتھ لفظ اطاعت نہیں آیا' کیونکہ رسول کی اطاعت بھی حقیقت کے اعتبار سے اللہ کی اطاعت ہے۔ چنانچہ وہاں پر اطاعت کو رسول کے ساتھ مخصوص کر دیا گیا ہے اور اللہ کے ساتھ صرف لفظ "تقویٰ" لایا گیا ہے۔

رسولؑ کی یہ اطاعت کس درجے مطلوب ہے اور ایمان حقیقی کے اعتبار سے اس کا معیار کیا ہے' اس کے لئے سورۃ النساء کی آیت ۶۵ ملاحظہ کیجئے:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوۡكَ فِيۡمَا شَجَرَ بَيۡنَهُمۡ ثُمَّ لَا يَجِدُوۡا فِيۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيۡتَ وَيُسَلِّمُوۡا تَسۡلِيۡمًا ○

"تو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کے رب کی قسم یہ ہرگز مومن نہیں

ہو سکتے جب تک کہ یہ اُن تمام معاملات میں جو ان کے مابین اٹھ کھڑے ہوں آپؐ کو حکم تسلیم نہ کریں اور پھر جو فیصلہ آپ کردیں اس کے بارے میں دل میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں اور اسے خوشی سے قبول کریں۔"

رسول کے حکم کو رد کر دینا اور اس کی نافرمانی کرنا تو بہت دور کی بات ہے، جو کھلم کھلا بغاوت ہے ـــــ لیکن طرز عمل اگر یہ ہو کہ رسول کا حکم مان بھی لیا اور اس پر عمل بھی کر لیا لیکن طبیعت میں کسی انقباض، ناگواری اور تنگی کا احساس ہوا تو یہ کیفیت بھی ایمان کے منافی ہے۔ اس ضمن میں ایک بہت پیاری اور بڑی جامع حدیث صحیح بخاری میں آئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"کُلُّ اُمَّتِی یَدْخُلُونَ الجنۃَ اِلاَّ مَنْ اَبٰی"

"میری امت پوری کی پوری جنت میں جائے گی، سوائے اس کے جو خود انکار کردے!"

قیل وَمَن ابٰی؟

پوچھا گیا (اے اللہ کے رسولؐ) ایسا کون ہے جو (جنت میں جانے سے) انکار کرے؟

قال: "مَنْ اَطاعنی دخلَ الجنۃَ ومن عصانی فقد ابٰی"

فرمایا: "جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے گویا (جنت میں جانے سے) خود انکار کیا۔"

تو معلوم ہوا کہ جنت میں داخلے کا شاہ درہ رسولؐ کی اطاعت ہے۔

۲- حدیث رسولؐ کا مقام: رسولؐ کے حکم کے بارے میں یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ رسولؐ کا حکم وحی جلی پر مبنی بھی ہو سکتا ہے اور وحی خفی پر بھی۔ وحی جلی قرآن ہے، جسے وحی متلو بھی کہا جاتا ہے یعنی جس کی تلاوت کی جاتی ہے۔ اور وحی خفی حدیثِ رسولؐ کی صورت میں ہمارے سامنے موجود ہے۔ چنانچہ رسولؐ کا حکم صرف وہی شمار نہیں کیا جائے گا جو قرآن میں ہو، بلکہ رسولؐ ایسا حکم بھی دے سکتے ہیں جو وحی خفی پر مبنی ہو۔

یہ نکتہ اہل سنت اور منکرینِ سنت کے مابین حدِ فاصل ہے۔ اہل سنت کا عقیدہ یہ ہے کہ وحی جلی کی طرح وحی خفی کو ماننا بھی ضروری ہے اور رسولؐ کی اطاعت بھی بجائے خود مستقل اطاعت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سورۃ النساء کی آیت ۵۹ میں رسولؐ کے لئے لفظ "اَطِیْعُوا" کی تکرار وارد ہوئی ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ

"اے ایمان والو، حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور اپنے میں سے والیانِ امر کا۔"

یہاں اللہ کے بعد رسولؐ کے ساتھ بھی "اطیعوا" کے لفظ کو دہرایا گیا ہے، لیکن اولی الامر کے لئے لفظ "اطیعوا" نہیں دہرایا گیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کی اطاعت بھی اپنی جگہ مستقل بالذّات اطاعت ہے اور ان کی ذمہ داری صرف اللہ کے حکم کو پہنچا دینا ہی نہیں ہے۔

انکارِ حدیث اس دور کا خاصا بڑا فتنہ ہے اور ہمارے جدید تعلیم یافتہ لوگ اس کا جلد شکار ہو جاتے ہیں، کیونکہ مغربی افکار کے زیر اثر اور مغربی تہذیب کے دلدادہ ہونے کے باعث ان کے ذہن پہلے سے اس کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ احادیث رسولؐ کے بارے میں ان کا احساس یہ ہوتا ہے کہ یہ ہم پر کچھ زیادہ ہی قدغنیں عائد کرنے والی چیزیں ہیں۔ چنانچہ جدید تعلیم یافتہ طبقے میں احادیث رسولؐ سے اباء کا ایک جذبہ عام طور پر پہلے سے موجود ہوتا ہے اور یہ لوگ "گوشِ حقیقت نیوش" سے منکرین حدیث کی باتوں کو سنتے ہیں اور اس سے فوری اثر قبول کرتے ہیں۔ اس ضمن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث ملاحظہ کیجئے، جو ابوداؤد، ابن ماجہ اور دارمی میں روایت ہوئی ہے:

عن مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: "اَلا اِنّی اوتیتُ القراٰنَ و مثلہ معہ، اَلا یوشک رجلٌ شبعانُ علی اریکتِہٖ یقول علیکم بھذا القراٰنِ فما وجدتم فیہ من حلالٍ فَاَحِلُّوہ و ما وجدتم فیہ من حرامٍ فحرِّموہ، و انّما حرّم رسولُ اللہ کما حرّم اللہ"

حضرت مقدام بن معدیکرب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "لوگو آگاہ ہو جاؤ، مجھے قرآن بھی دیا گیا ہے اور اسی کی مانند ایک اور شے بھی! دیکھو ایسا نہ ہو کہ کوئی پیٹ بھرا شخص اپنے چھپر کھٹ پر ٹیک لگائے بیٹھا ہو اور لوگوں سے کہہ رہا ہو کہ دیکھو لوگو، تم پر بس اس قرآن کی پابندی لازم ہے، جو کچھ تم اس میں حلال پاؤ اسی کو حلال سمجھو اور جو کچھ اس میں حرام پاؤ اسی کو حرام سمجھو۔ جان لو کہ جس طرح اللہ نے کچھ چیزیں حرام ٹھہرائی ہیں اسی طرح اللہ کے رسول نے بھی کچھ چیزیں حرام ٹھہرائی ہیں۔"

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی یہ الفاظ بہت اہم ہیں کہ "اِنّی اوتیتُ القرآنَ و مِثلَہ معَہ" ـــــ یہ الفاظ اس حقیقت پر نصِ قطعی کا درجہ رکھتے ہیں کہ وحی جلی (قرآن) کے علاوہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک وحی خفی بھی عطا ہوئی ہے اور وہ اپنی قطعیت کے اعتبار سے قرآن کے مثل ہے۔ اسی طرح "اِنّما حرّم رسولُ اللہ کما حرّم اللہ" کے الفاظ سے یہ صراحت ہوتی ہے کہ حدیثِ رسولؐ احکامِ شریعت کا اپنی جگہ پر ایک مستقل ذریعہ اور مستقل شعبہ ہے۔ اس اعتبار سے رسولؐ کی اطاعت، خواہ وہ وحی جلی پر مبنی ہو یا وحی خفی پر، بہرحال لازم ہے اور اس ضمن میں ان دونوں میں تفریق نہیں کی جائے گی۔ اسی طرح مسند احمد، سنن ابی داؤد، ابن ماجہ ترمذی اور بیہقی میں حضرت ابو رافعؓ سے روایت ہے:

لا اُلفِیَنَّ احدَکم علی اریکتِہٖ یاتیہ الامرُ مِن امری مِمّا امرتُ بہٖ اَو نَہیتُ عنہ، فیقول: لا ادری، ما وجدنا فی کتابِ اللہ اتّبعناہ۔

"ایسا نہ ہو کہ میں پاؤں تم میں سے کسی شخص کو کہ وہ اپنی کسی آرام دہ نشست پر بیٹھا ہوا ہو اور اس کو میرا کوئی حکم پہنچے، جو میں نے کوئی حکم دیا ہو یا کسی شے سے روکا ہو تو وہ کہے: میں نہیں جانتا، ہم تو بس اسی شے کی پیروی کریں گے جو کتاب اللہ میں ہے۔"

ان احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے لوگوں کو خبردار کیا ہے جو بڑے مرفہ الحال اور بڑے خوشحال ہوں گے، بڑے اچھے حالات میں بیٹھے ہوئے ہوں گے اور وحی جلی اور وحی خفی کے مابین تفریق کر کے حدیثِ رسولؐ کا استخفاف کریں گے۔ یہ طرزِ عمل

بوریا نشینوں کا نہیں ہوگا بلکہ اونچی سطح کے لوگ ہی اس گمراہی میں مبتلا ہوں گے۔

۳۔ رسولؐ کے حکم اور رائے میں فرق : اس ضمن میں تیسری اہم بات یہ ہے کہ رسولؐ کے بھی حکم، مشورہ اور رائے میں فرق ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے یہ بہت مشکل مسئلہ ہے کہ اس فرق کا تعین کس طرح کیا جائے۔ یہ مسئلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مشکل نہیں تھا، لیکن آپؐ کے بعد اس اشکال کے حل کے لئے امت کے بہترین دماغوں نے سوچ بچار کی ہے۔ صحابہ کرامؓ کو یہ سہولت حاصل تھی کہ وہ آپؐ سے دریافت کر لیتے تھے کہ حضورؐ یہ آپؐ کا حکم ہے یا مشورہ؟ یہ بات جو آپ فرما رہے ہیں آیا یہ اللہ کا حکم ہے جو وحی کے ذریعے آیا ہے یا یہ آپؐ کی نجی رائے ہے؟ آیا ہمیں اس کے بارے میں کچھ کہنے کا حق حاصل ہے یا نہیں؟ چنانچہ غزوۂ بدر کے موقع پر بعض صحابہ کرامؓ نے آپؐ سے عرض کیا کہ اس جگہ جو آپؐ نے فوجی پڑاؤ لگایا ہے اگر تو یہ از روئے وحی ہے تو **سمعنا و اطعنا**، لیکن اگر یہ آپؐ کی ذاتی رائے ہے، تو ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم اس کے بارے میں اپنی رائے پیش کر سکیں۔ لیکن بعد کے ادوار میں اس اشکال کے حل کے لئے فقہائے کرام کو بہت محنت کرنا پڑی ہے۔

یہاں ہم حضورؐ کی حیات طیبہ کے بعض واقعات کی روشنی میں اس مسئلہ کو اصولی طور پر سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ حدیث "تابیرِ نخل" بہت مشہور حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو آپؐ نے دیکھا کہ اہل مدینہ کھجور کے ضمن میں مصنوعی زرپاشی (Artificial Pollination) کا اہتمام کرتے تھے، یعنی مذکر کھجور کے گابھے کو مؤنث کھجور کے گابھے کے نزدیک لے آیا جاتا تاکہ زرپاشی کا عمل زیادہ ہو اور اس طرح زیادہ پھل حاصل کیا جا سکے۔ یہ چیز ان کے تجربے میں تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں یہ عمل کرتے دیکھا تو فرمایا کہ اگر تم یہ نہ کرتے تو شاید بہتر ہی ہوتا۔ یعنی قدرت نے جو نظام بنا رکھا ہے اس میں خواہ مخواہ کی دخل اندازی کیوں کی جائے۔ اس پر صحابہ کرامؓ نے اس سال مصنوعی افزائش کا یہ عمل نہیں کیا، لیکن اس کے نتیجے میں فصل کم ہو گئی۔ چنانچہ صحابہ کرامؓ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ حضورؐ ہم اپنے تجربے کی بنا پر یہ عمل کیا کرتے تھے، مگر اس بار آپؐ کے فرمانے سے ہم نے ایسا نہیں کیا، لیکن اس سے فصل کم ہوئی ہے۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنّما انا بشرٌ، اذا امرتکم بشیءٍ من دینکم فخذوا بہ، و اذا اَمرتکم بشیءٍ من رأیی فانّما اَنا بشرٌ

"بلاشبہ میں ایک انسان ہوں۔ جب میں تمہیں تمہارے دین کے بارے میں کوئی حکم دوں تو اسے مضبوطی سے تھامو ـــــ اور اگر میں تم سے کوئی بات اپنی رائے کی بناء پر کہوں تو میں بھی ایک انسان ہوں۔"

یہ صحیح مسلم کی حدیث ہے جو حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ یہ حدیث اس اعتبار سے بہت اہم ہے کہ اس سے دینی معاملات اور سائنسی ترقی سے متعلق معاملات کی نوعیت میں فرق واضح ہو جاتا ہے۔ نبیؐ سائنس پڑھانے آئے تھے نہ زراعت کے طور طریقے سکھانے، بلکہ ان کا اصل موضوع انفرادی اور اجتماعی سطح پر انسانوں کی نظری اور عملی ہدایت تھا۔ چنانچہ جو چیز آپؐ کی طرف سے اس ضمن میں دی جائے اس کو لے لینا اور مضبوطی سے تھامنا لازم ہے، لیکن جن معاملات کا تعلق امور دینیہ سے نہیں بلکہ امور طبعیہ سے ہے ان کے ضمن میں نبیؐ اگر اپنی ذاتی رائے پیش کریں تو اس کا تسلیم کرنا بھی واجب نہیں، کجا یہ کہ اس پر عمل کرنا واجب ہو۔ مثلاً یہ کہ بارش کیسے ہوتی ہے؟ زلزلہ کیسے آتا ہے؟ دن اور رات کیسے نکلتے ہیں؟ سورج اور چاند کا کیا نظام ہے؟ ظاہر بات ہے کہ ان چیزوں کا تعلق امور تکوینیہ اور امور طبعیہ سے ہے، نہ کہ امور دینیہ اور امور تشریعیہ سے۔ ایسے امور کی جو توجیہہ بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عہد میں فرمائی وہ اُس وقت کی علمی سطح کے مطابق تھی اور اس سے زیادہ کوئی بات بتانا ممکن بھی نہیں تھا۔ اس لئے کہ انسانی ذہن ابھی اس سطح پر نہیں تھا کہ ان حقائق کا ادراک کرسکتا۔ اس کے لئے تو اگر پہلے فزکس، کیمسٹری، جیالوجی اور اسٹرانومی جیسے علوم پڑھائے جاتے تب کہیں جا کر وہ چیزیں لوگوں کے ذہن کی گرفت میں آتیں جو سائنسی ترقی کی وجہ سے آج ہمارے علم میں ہیں ـــــ اور اللہ کے رسولؐ اس کے لئے نہیں بھیجے گئے تھے۔ چنانچہ حضورؐ نے اُس دور کی علمی سطح کے مطابق لوگوں کو سمجھانے کے لئے ان معاملات سے متعلق جو کچھ فرمایا، ہمارے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہی تعبیرات ہم بھی اختیار کریں۔ البتہ جہاں تک احکام کا تعلق ہے کہ یہ کرو اور یہ نہ کرو، یہ

حلال ہے یہ حرام ہے ' یہ جائز ہے یہ ناجائز ہے ' یہ واجب ہے ' یہ فرض ہے ' تو اس ضمن میں حضورؐ کا ہر فرمان ہمارے لئے واجب التعمیل ہے ـــــ اِلّا یہ کہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ یہ حضورؐ کی ذاتی رائے یا مشورہ تھا' مستقل حکم نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے بعض واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپؐ نے صحابہ کرام اور صحابیات (رضوان اللہ علیہم و علیہن اجمعین) کو جو تربیت دی تھی اس میں کس درجے گہرائی تھی اور ان میں سے نہ صرف وہ جو چوٹی کے لوگ تھے بلکہ ادنیٰ طبقات سے تعلق رکھنے والے صحابہ و صحابیات میں بھی کتنا گہرا فہم و شعور پیدا ہو چکا تھا۔ یہ بات حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا اور حضرت مغیث رضی اللہ عنہ کے معاملے میں واضح طور پر سامنے آتی ہے۔ حضرت بریرہؓ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کنیز تھیں اور حضرت مغیثؓ بھی ایک غلام تھے۔ دونوں کے آقاؤں کی اجازت سے ان دونوں کے مابین نکاح کا رشتہ قائم ہوا تھا۔ حضرت بریرہؓ کو حضرت عائشہؓ نے آزاد کر دیا تو ان کی معاشرتی حیثیت حضرت مغیثؓ سے برتر ہو گئی۔ آزاد ہونے کے بعد عورت کو یہ اختیار حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے اُس نکاح کو جو اس وقت ہوا تھا جب کہ وہ کنیز تھی' چاہے تو برقرار رکھے اور چاہے تو اس سے آزادی حاصل کر لے۔ حضرت بریرہؓ نے اپنے اس اختیار کو استعمال کرتے ہوئے حضرت مغیثؓ کے نکاح میں نہ رہنے کا فیصلہ کر لیا۔ حضرت مغیثؓ کو ان سے بہت محبت تھی۔ انہوں نے پہلے تو براہ راست بریرہؓ کی خوشامد کی کہ وہ یہ تعلق نہ توڑیں' لیکن جب بات نہ بنی تو حضورؐ کی خدمت میں آکر فریاد کی۔ حضورؐ نے حضرت بریرہؓ کو بلا کر فرمایا کہ اے بریرہؓ کیا حرج ہے اگر تم مغیثؓ ہی کے گھر میں رہو! اس پر حضرت بریرہؓ نے فوراً جو سوال کیا وہ یہ تھا کہ حضورؐ یہ آپؐ کا حکم ہے یا مشورہ؟ اور جب حضورؐ نے فرمایا کہ یہ میرا حکم نہیں بلکہ مشورہ ہے تو بریرہؓ نے عرض کیا کہ حضورؐ میں اس مشورے پر عمل نہیں کر سکتی! تو یہ ہے وہ باریک اور نازک سا فرق جو رسول اللہؐ کے حکم اور آپؐ کے مشورے کے مابین حضرت بریرہؓ نے روا رکھا' جو ایک ادنیٰ کنیز تھیں اور اگر یہ واقعہ احادیث میں نہ آیا ہوتا تو شاید ہم میں سے کسی نے ان کا نام کبھی نہ سنا ہوتا کہ حضرت عائشہؓ کی کوئی بریرہؓ نامی کنیز بھی تھی۔ لیکن یہ واقعہ ایسا ہے اور اس میں مسلمانوں کے لئے ایسی ابدی رہنمائی ہے کہ اب اس کے حوالے سے حضرت بریرہؓ کا نام

(باقی صفحہ ۷۹ پر)

نواں کبیرہ

والدین کی نافرمانی

مؤلف: ابو عبدالرحمن شبیر بن نور

یقیناً اللہ تعالیٰ ہی انسان کا خالق اور رازق ہے لیکن اس کی تکمیل والدین کے ذریعے ہوتی ہے، اسی لیے قرآن مجید میں چار جگہ "توحیدِ رب" کے فوراً بعد "احسانِ والدین" کا حکم ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰہَ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا۔[1]

"اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا اور ماں باپ کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔"

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا۔[2]

"اور تم سب اللہ کی بندگی کرو اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ اور ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو۔"

ایک اور جگہ فرمایا:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّکُمْ عَلَیْکُمْ اَلَّا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَّ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا۔[3]

"اے نبی ان سے کہو کہ آؤ میں تمہیں سناؤں تمہارے رب نے تم پر کیا پابندیاں عائد کی ہیں: یہ کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔"

---

[1] سورت البقرۃ، آیت ۸۳۔ [2] سورت النساء، آیت ۳۶۔

[3] سورت الانعام، آیت ۱۵۱۔

ایک جگہ فرمایا:

وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔[1]

"تیرے رب نے فیصلہ کر دیا ہے کہ تم لوگ کسی کی عبادت نہ کرو مگر صرف اس کی، اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے والدین کا مقام، مرتبہ اور اُن کے ساتھ حسن سلوک کی اہمیت اس طرح بیان فرمائی ہے:

رِضَا اللّٰهِ فِی رِضَا الْوَالِدِ وَسَخَطُ اللّٰهِ فِی سَخَطِ الْوَالِدِ۔[2]

"اللہ تعالیٰ کی رضا والد کی رضا میں ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے۔"

دوسری جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اَلْوَالِدُ اَوْسَطُ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَاِنْ شِئْتَ فَاحْفَظْ وَاِنْ شِئْتَ فَضَیِّعْ[3]

"والد جنت کا درمیانی دروازہ ہے چاہو تو اسے (اپنے حق میں) محفوظ کر لو اور چاہو تو ضائع کر دو۔"

اسی حیثیت اور اہمیت کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بھی "تباہ کن" اور بڑے سے

---

[1] سورت الاسراء، آیت ۲۳۔

[2] سنن الترمذی، کتاب البر والصلۃ، باب ماجاء فی برّ الوالدین۔ المستدرک للحاکم، کتاب البر والصلۃ، باب رضا الرب فی رضا الوالدہم/۱۵۲۔ الادب المفرد للامام البخاری، ج ۱، ص ۴۲۔ امام البانی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ۔ حدیث ۵۱۶۔ امام حاکم اور ابن حبان نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔

[3] مسند امام احمد ج ۶، ص ۴۴۵۔ اور ص ۴۵۱۔ سنن الترمذی، کتاب البر والصلۃ باب الفضل فی برالوالدین۔ امام ترمذی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ المستدرک ج ۴۔ ص ۱۵۲۔ امام حاکم نے بھی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اور امام ذہبی نے اس حکم کی تائید کی ہے۔ استاذ ناصر الدین الالبانی نے بھی حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ حدیث ۹۱۰۔

بڑے (اکبر الکبائر) گناہوں کا تذکرہ فرمایا تو شرک کے علاوہ "والدین کی نافرمانی" کا ضرور ذکر کیا، بلکہ بعض مقامات پر تو شرک کے فوراً بعد "والدین کی نافرمانی" کو بڑا گناہ قرار دیا، ملاحظہ ہو:

قَالَ النَّبِی صلّی اللہ علیہ وسلّم: " اَلاَ اُنَبِّئُکُمْ بِاَکْبَرِ الْکَبَائِرِ؟ (ثَلاَثًا) قَالُوا: بَلٰی یَارَسُولَ اللّٰہِ، قَالَ: اَلاِ شْرَاکُ بِاللّٰہِ وَعُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ . . . [1] (الخ)

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: "کیا میں تم کو بڑے بڑے گناہ نہ بتلادوں؟" (آپ نے یہ بات تین دفعہ دریافت فرمائی) صحابہ کرام نے عرض کیا: ضرور ضرور یارسول اللہ۔ آپ نے فرمایا: "اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور والدین کی نافرمانی کرنا . . ." (الی آخر الحدیث)

ایک دوسری حدیث میں یوں ہے:

جَاءَ اَعْرَابِیٌّ فَقَالَ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ: مَا الْکَبَائِرُ؟ قَالَ: "اَلاِ شْرَاکُ بِاللّٰہِ" قَالَ: ثُمَّ مَاذَا؟ قَالَ: ثُمَّ عُقُوْقُ الْوَالِدَیْنِ . . . [2] (الخ)

ایک اعرابی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے پوچھا یارسول اللہ بڑے بڑے گناہ کون کون سے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ کے ساتھ شرک کرنا" اعرابی نے پوچھا اس کے بعد دوسرے نمبر پر بڑا گناہ کون سا ہے؟ آپ نے فرمایا: "والدین کی نافرمانی کرنا . . ." (الی آخر الحدیث)

اسی لیے شریعت نے والدین کی نافرمانی کو بہت بڑا جرم قرار دیا ہے۔ اور اسی نسبت سے نافرمان اولاد کے لیے سخت سے سخت تنبیہ کی ہے اور دنیا و آخرت کے بدترین انجام سے خبردار کیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

---

[1] صحیح بخاری کتاب الشہادات باب ماقیل فی شہادۃ الزور، صحیح مسلم کتاب الایمان، باب بیان الکبائر واکبرہا۔

[2] تفسیر ابن جریر، ج ۵، ص ۴۲، طبع دار الفکر۔ کنز العمال، ج ۳، ص ۸۴۲، طبع مکتبۃ التراث الاسلامی۔ حلب

لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَيْهِ ..... [۱]

"والدین کو ملامت کرنے والے پر اللہ تعالیٰ نے لعنت کی ہے۔"

ایک موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ثَلَاثَةٌ لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، عَاقٌّ وَالِدَيْهِ وَمُدْمِنُ الْخَمْرِ وَمَنَّانٌ بِمَا اَعْطٰى [۲]

"روزِ قیامت تین آدمیوں کی طرف اللہ تعالیٰ نگاہ تک نہ کریں گے۔ والدین کی نافرمانی کرنے والا، شراب کا عادی اور کچھ دے کر احسان جتلانے والا"

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا:

ثَلَاثَةٌ حَرَّمَ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى عَلَيْهِمُ الْجَنَّةَ: مُدْمِنُ الْخَمْرِ وَالْعَاقُّ لِوَالِدَيْهِ وَالدَّيُّوثُ [۳]

"تین قسم کے آدمیوں پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کر رکھی ہے: شراب کا عادی، والدین کی نافرمانی کرنے والا اور دیوث (یعنی اپنے ہی اہل خانہ میں زناکاری و بے حیائی کو گوارا کرنے والا)۔"

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الاضاحی، باب تحریم الذبح لغیر اللہ۔ سنن النسائی، کتاب الضحایا، باب من ذبح لغیر اللہ عزوجل۔ المستدرک للحاکم، کتاب البر والصلۃ، باب لعن اللہ العاق لوالدیہ۔ مسند امام احمد ۱، ص ۱۱۸۔

۲۔ سنن النسائی، کتاب الزکاۃ، باب المنان بما اعطی۔ المستدرک للحاکم، کتاب الاشربۃ۔ باب ثلاثۃ لا یدخلون الجنۃ ۱۴۶/۴ - ۱۴۷۔ امام حاکم اور امام ذہبی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔ شیخ الحدیث علامہ ناصر الدین الالبانی نے اس حکم کی تائید کی ہے۔ ملاحظہ ہو سلسلۃ الاحادیث الصحیحۃ حدیث ۶۷۴۔

۳۔ مسند امام احمد، ج ۲، ص ۱۳۴۔ سنن النسائی، کتاب الاشربۃ باب الروایۃ فی المدمنین فی الخمر۔ المستدرک للحاکم، کتاب الایمان، باب ثلاثۃ لا یدخلون الجنۃ۔ علامہ الالبانی نے حجاب المرأۃ المسلمۃ ص ۶۷ پر حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

نیکی انسان کو بڑے سے بڑے مقام تک پہنچا سکتی ہے، بشرطیکہ وہ اپنے والدین کا فرمانبردار ہو۔ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

"یارسول اللہ! اگر میں پانچوں نمازیں ادا کرتا رہوں، رمضان کے روزے رکھوں، زکوٰۃ ادا کروں، بیت اللہ کا حج کر لوں، تو مجھے کیا مقام مل سکے گا؟"

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مَنْ فَعَلَ هٰذا كَانَ مَعَ النَّبِيِّيْنَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ اِلَّا اَنْ يَعُقَّ وَالِدَيْهِ"[1]

"جو آدمی یہ سارے کام کرے وہ انبیاء، صدّیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا، بشرطیکہ وہ والدین کا نافرمان نہ ہو۔"

اللہ تعالیٰ بڑا غفور اور حلیم ہے لیکن قرابت داری اور صلہ رحمی کے معاملے میں اُدھار نہیں رکھتا، نیکی اور احسان کرنے والوں کو بھی اور بدسلوکی کرنے والوں کو بھی اسی دنیا میں بدلہ دے دیتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:

مَا مِنْ ذَنْبٍ اَجْدَرُ اَنْ يُعَجِّلَ اللّٰهُ لِصَاحِبِهِ الْعُقُوبَةَ فِي الدُّنْيَا مَعَ مَا يَدَّخِرُ لَهُ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْبَغْيِ وَ قَطِيْعَةِ الرَّحِمِ[2]

---

[1] صحیح ابن حبان، ج ۵، ص ۱۸۴۔ حدیث ۳۴۲۹ مع ترتیب الاحسان۔ مجمع الزوائد للہیثمی، ج ۱ ص ۴۶۔ کنز العمال ج ۱، ص ۳۰۳۔ متعدد محدثین نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

[2] مسند احمد، ج ۵، ص ۳۶-۳۸۔ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب النہی عن البغی۔ سنن الترمذی، کتاب صفۃ القیامۃ، باب رقم ۵۸۔ امام ترمذی کے نزدیک حدیث صحیح ہے۔ المستدرک للحاکم، کتاب التفسیر۔ باب اجمع آیۃ فی القرآن للخیر والشر ۲/۳۵۶۔ امام حاکم اور امام ذہبی نے المستدرک میں اور علامہ ناصر الدین الالبانی نے صحیح الجامع الصغیر حدیث ۵۷۰۴ میں حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔

"ظلم اور قطعیتِ رحم سے بڑھ کر کوئی گناہ اس بات کا مستحق نہیں کہ اللہ اس کے مرتکب کے لیے دنیا میں بھی سزا کی جلدی کرے اور آخرت میں بھی (سزا کا بوجھ) جمع رکھے"

والدین کی نافرمانی سے بڑی سرکشی اور کیا ہوگی؟ اور ان سے زیادہ محترم رحمی رشتہ اور کون سا ہوگا؟ لہٰذا والدین کا نافرمان اس دنیا میں بھی ضرور تکلیف اُٹھائے گا اور سزا بھگتے گا اور اُخروی سزا سے بھی بچ نہیں سکے گا۔ اسی طرح والد کی بددعا بھی اپنی اولاد کے لیے بڑی ہی جلد سنی جاتی ہے اور قبول ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

ثَلَاثُ دَعَوَاتٍ مُسْتَجَابَاتٌ لَا شَكَّ فِيهِنَّ : دَعْوَةُ الْمَظْلُومِ وَدَعْوَةُ الْمُسَافِرِ وَدَعْوَةُ الْوَالِدِ عَلٰى وَلَدِهٖ[1]

"بلاشبہ تین دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں: مظلوم کی دُعا، مسافر کی دعا! اور والد کی اپنی اولاد کے خلاف بددُعا"

والدین کے حقوق کے ضمن میں یہ بات بھی از خود شامل ہے کہ اُن کا احترام کیا جائے اور بالواسطہ یا بلاواسطہ اُن کی ایذاء اور پریشانی کا سبب نہ بنا جائے۔ اُن کو لعن طعن کرنا یا انہیں بُرا کہنا تو درکنار انہیں "اُف" تک نہ کہا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا أُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيمًا ۝[2]

"تم انہیں اُف تک نہ کہو، نہ انہیں جھڑک کر جواب دو بلکہ اُن سے احترام کے ساتھ بات کرو"

چنانچہ کس قدر بدبخت ہوگا وہ آدمی جو اپنے والدین کو خود گالی دیتا ہو! براہِ راست والدین کو گالی دینا تو

---

[1] سنن ابوداؤد، کتاب الصلاۃ، باب الدعاء بظہر الغیب۔ سنن الترمذی، کتاب البرّ والصّلۃ، باب ماجاء فی دعوۃ الوالدین۔ مسند امام احمد ج ۲۔ ص ۲۵۸۔ امام ترمذی اور استاذ ناصر الدین الالبانی نے حدیث کو حسن قرار دیا ہے۔ ملاحظہ ہو سلسلۃ الاحادیث الصحیحہ ۵۹۶۔

[2] سورت الاسراء، آیت ۲۳۔

بہت ہی قبیح حرکت ہے، بالواسطہ طور پر بھی اگر وہ والدین کے لیے ملامت یا گالی کا سبب بنے تب بھی وہ ملعون اور بدبخت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اِنَّ مِنْ اَکْبَرِ الْکَبَائِرِ اَنْ یَلْعَنَ الرَّجُلُ وَالِدَیْہِ۔ قِیْلَ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَکَیْفَ یَلْعَنُ الرَّجُلُ وَالِدَیْہِ؟ قَالَ: "یَسُبُّ اَبَا الرَّجُلِ فَیَسُبُّ الرَّجُلُ اَبَاہُ"[1]

"یہ بات سب سے بڑے گناہوں سے ہے کہ انسان اپنے والدین کو گالی دے" صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا: یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ انسان اپنے والدین کو خود گالی دے (یعنی یہ ناممکن بات ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "ہوتا یوں ہے کہ انسان کسی کے باپ کو گالی دیتا ہے تو جواباً وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے"۔ (یعنی اس نے اپنے باپ کو گالی دینے کا راستہ صاف کیا)

دوسری جگہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"مِنَ الْکَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَیْہِ"۔ قَالُوْا: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ! وَھَلْ یَشْتُمُ الرَّجُلُ وَالِدَیْہِ؟ قَالَ: "نَعَمْ یَسُبُّ اَبَا الرَّجُلِ فَیَسُبُّ اَبَاہُ وَیَسُبُّ اُمَّہٗ فَیَسُبُّ اُمَّہٗ"[2]

"یہ بات بڑے گناہوں میں سے ہے کہ انسان اپنے والدین کو گالی دے" صحابہ کرامؓ نے دریافت کیا، یارسول اللہ بھلا کہیں انسان اپنے والدین کو گالی دیتا ہے؟ آپ نے فرمایا: "ہاں ہاں انسان کسی کے باپ کو گالی دیتا ہے تو وہ اس کے باپ کو گالی دیتا ہے اور انسان کسی کی ماں کو گالی

---

[1] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب لایسبّ الرجلُ والدیہ۔
صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الکبائر واکبرہا۔

[2] صحیح بخاری، کتاب الادب، باب لایسبّ الرجلُ والدیہ۔
صحیح مسلم، کتاب الایمان، باب بیان الکبائر واکبرہا

دیتا ہے تو وہ اس کی ماں کو گالی دیتا ہے۔"

لہٰذا اپنے والدین کے احترام کا معنیٰ یہ ہے کہ دوسروں کے والدین کا بھی احترام کیا جائے تاکہ نتیجہ میں اس کے اپنے والدین کا احترام ہو، نہ کہ گالی گلوچ کا تبادلہ کر کے بالواسطہ اپنے والدین کو گالیاں پارسل کی جائیں۔ البتہ ایک شکل ایسی ہے جہاں والدین کا کہا ماننا ضروری نہیں بلکہ اطاعت کرنا گناہ ہے یعنی جب والدین اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور بالخصوص شرک کا حکم دیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاِنْ جَاهَدَاكَ عَلٰى اَنْ تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوْفًا۔[1]

"اور اگر (تیرے والدین) تجھ پر دباؤ ڈالیں کہ میرے ساتھ تو کسی ایسے کو شریک کرے جسے تو نہیں جانتا تو اُن کی بات ہرگز نہ مان۔ (ہاں) دنیا میں اُن کے ساتھ نیک برتاؤ کرتا رہ۔"

اس بات کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد مواقع پر مختلف انداز سے بیسیوں مرتبہ سمجھایا کہ جو کام خدا کی نافرمانی کا ہو اس میں کسی کی اطاعت نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اہل علم کے نزدیک بالاجماع یہ قاعدہ طے پا گیا کہ:

"لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ۔[2]

"خالق کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں ہے۔"

چنانچہ صرف اس ایک استثنائی صورت کے علاوہ والدین کی ہر شکل میں، ہر وقت اطاعت، فرمانبرداری، خدمت، ادب، احترام اور اُن کی پسند ناپسند کا لحاظ ضروری اور فرض ہے۔ ورنہ دنیا بھی کھوٹی اور آخرت بھی شدید خطرے میں ہے۔

---

[1] سورت لقمان، آیت ۱۰۔

[2] اس بات کو تفصیلاً سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل مقامات حدیث کا مطالعہ مفید رہے گا: صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب سریۃ عبداللہ بن حزامۃ۔ اور کتاب الاحکام باب السمع والطاعۃ للامام مالم تکن معصیۃ۔ کتاب الخبر الواحد۔ صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیۃ وتحریمہا فی المعصیۃ۔ سنن ابی داؤد، کتاب الجہاد، باب فی الطاعۃ۔ سنن النسائی، کتاب البیعۃ، باب جزاء من امر بمعصیۃ فاطاع۔ مسند امام احمد بن حنبل، ج ۱ ص ۶۴۔ ص ۴۰۹، ج ۴، ص ۴۲۶۔

ایک مجاہد کا خط، ایک درویش کے نام

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ کا سفرِ جہاد سے ایک خط

مولانا سید اخلاق حسین قاسمی دہلوی

حافظ ابن کثیرؒ نے ابن عساکر کے حوالہ سے حضرت عبداللہ ابن مبارکؒ کا یہ واقعہ نقل کیا ہے۔ عبداللہ ابن مبارک بہت بڑے محدث و فقیہہ ہونے کے ساتھ ساتھ غازی اور مجاہد بھی تھے۔ ۱۷۰ھ کا واقعہ ہے کہ حضرت عبداللہ ایک اسلامی لشکر کے ساتھ جہاد کے لئے تشریف لے جارہے تھے اور طرطوس (شام) میں مقیم تھے۔ یہاں محمد ابن ابراہیمؒ انہیں رخصت کرنے آئے۔ حضرت عبداللہ نے محمد ابن ابراہیم کو ایک خط لکھوایا اور یہ ہدایت کی کہ یہ خط حضرت فضیل ابن عیاضؒ کو پہنچا دیا جائے جو حرمین الشریفین میں عبادت کے اندر مشغول ہیں۔ حضرت عبداللہ کے خط میں یہ اشعار درج تھے:

یا عابدَ الحرمینِ لو أبصرتنا
لَعَلِمتَ انک فی العبادةِ تَلعبُ

اے حرمین کے عبادت گزار! اگر تو ہم مجاہدین کو دیکھ لیتا تو تجھے یقین ہوجاتا کہ تیری عبادت محض ایک کھیل کود ہے!

مَن کان یخضِبُ خدَّہٗ بدُموعِہٖ
فنحورُنا بِدِمائِنا تتخضَّبُ

ایک وہ شخص ہے جو اپنے رخساروں کو آنسوؤں سے تر کرتا ہے اور ہم اپنے سینوں کو اپنے خون سے رنگین کرتے ہیں۔

رِیحُ العبیرِ لکم و نحن عبیرُنا
رَھجُ السَّنابِکِ وَ الغُبارُ الاَطیبُ

عبیر کی خوشبو تمہارے لئے ہے اور ہمارے لئے عبیر کی خوشبو گھوڑوں کے ٹاپوں کی خاک اور پاکیزہ غبار ہے۔

ولقد اَ تَا نَا مِن مقالِ نَبِیّنا
قولٌ صحیحٌ صادقٌ لا یکذِبُ

ہمیں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال مبارک میں سے یہ قول پہنچا ہے، جو صحیح ہے، سچا ہے اور جس میں کچھ جھوٹ نہیں:

لا یستوِ ی غبارُ خیلِ اللّٰہ فِی
اَ نفِ امرِیٍٔ و دُخانُ نارٍ تَلْھَبُ

اللہ کے گھوڑوں کا غبار جس ناک میں پہنچتا ہے اس میں جہنم کی آگ کا دھواں نہیں پہنچ سکتا۔

ھٰذا کتابُ اللّٰہ ینطق بیننا
لیس الشھیدُ بمیّتٍ لا یکذِبُ

یہ اللہ کی کتاب ہمارے درمیان ناطق اور گویا ہے کہ شہید مردہ نہیں۔
محمد ابن ابراہیم کہتے ہیں کہ میں حضرت فضیل ابن عیاض کے پاس یہ خط لے کر پہنچا۔ وہ حرم شریف میں تھے، خط دیکھ کر وہ رونے لگے اور فرمایا: ابو عبدالرحمٰن (عبداللہ ابن مبارک) نے سچ کہا اور مجھے نصیحت فرمائی۔ اس کے بعد فرمایا: اے محمد ابن ابراہیم! کیا تم ایک حدیث لکھ سکتے ہو؟ میں نے کہا: ہاں، فرمایئے، میں لکھ سکتا ہوں! فرمایا: لکھو:

عن ابی ھریرۃ ان رجلًا قال: یا رسولَ اللّٰہ علِّمنی عمَلًا انالُ بہ ثوابَ المجاھدین فی سبیلِ اللّٰہ فقال: ھل تستطیعُ اَن تُصلِّی فلا تفتر و تصومَ فلا تفطر؟ فقال: یا رسولَ اللہ انا اضعفُ مِن ان استطیعَ ذٰلک، ثم قال النّبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم: فوالذی نفسی بیدہٖ لوطوقتُ ذٰلک ما بلغتَ المجاھدین فی سبیل اللّٰہ و اما علمتَ انّ المجاھدَ لیستنّ فی طولہٖ فیکتبُ لہ بذٰلک الحسنات

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا: حضورؐ مجھے ایسا عمل بتادیجئے جس سے مجھے مجاہدین کا ثواب حاصل ہوجائے۔ آپؐ نے فرمایا: کیا تجھ میں اتنی طاقت ہے کہ تو مسلسل نماز پڑھے اور اس

کا سلسلہ نہ توڑے اور روزہ رکھے اور افطار نہ کرے؟" اس نے عرض کیا: نہیں، مجھ میں اتنی طاقت نہیں۔ آپؐ نے فرمایا: "اگر تجھ میں اس عمل کی طاقت ہوتی تب بھی مجاہدین کے برابر ثواب حاصل نہیں کرسکتا تھا۔ اور تو جانتا ہے کہ مجاہد کا گھوڑا اِدھر اُدھر دوڑتا ہوا دور چلا جاتا ہے (اور وہ اسے سنبھالتا ہے) تو اس کا یہ عمل بھی نیکیوں میں لکھا جاتا ہے"۔

حضرت فضیل ابن عیاضؒ نے حضرت عبداللہؒ کے خط پر کسی ناگواری کا اظہار نہیں کیا، حالانکہ حضرت عبداللہ نے اس میں شب بیدار صوفیوں پر طنز کیا تھا۔ بلکہ حضرت فضیل نے یہ حدیث لکھوا کر انہیں بھیجی اور ان کے خیال کی تائید فرمائی۔ حضرت فضیل نے اس طرح صوفیاء پر مجاہدین کی فضیلت کا اعتراف کیا اور ارشاد رسولؐ کے سامنے سر جھکا دیا۔ (ابن کثیر، ج ا ص ۴۴۸، مطبوعہ مصر)

فضیل ابن عیاض کون تھے؟

کبھی یہ بہت بڑے ڈاکو تھے۔ ایک بار ڈکیتی کے لئے ایک قافلہ پر حملہ کیا تو ایک خیمہ کے اندر سے قرآن کریم کی یہ آیت سنی:

اَلَمْ یَاْنِ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ الخ (الحدید: ۱۶)

"کیا ایمان والوں کے لئے ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ ان کے دل خدا کے ذکر سے کانپ اٹھیں؟"

یہ آیت سن کر فضیل پر خشیت طاری ہوگئی اور واپس آگئے، لوٹا ہوا سارا مال واپس کیا۔ ایک یہودی کے دینار چرائے تھے، وہ ادا کرنے سے قاصر رہے، اس کے پاس آئے اور سارا ماجرا سنا کر اس کے ہاں ملازمت کرلی تاکہ وہ رقم اتار سکیں۔ ایک روز یہودی کو بدگمانی ہوئی کہ کہیں یہ دھوکہ نہ دے رہا ہو، اس نے اپنی مذہبی کتاب میں پڑھا تھا کہ امتِ محمدیہ کا جو شخص گناہوں سے سچی توبہ کرتا ہے اس کے ہاتھ میں مٹی بھی سونا ہوجاتی ہے۔ اس نے فضیلؒ کی آزمائش کی، کوٹھڑی میں مٹی کی ایک تھیلی رکھ دی اور فضیلؒ سے کہا کہ وہ تھیلی اٹھا لاؤ۔ فضیل وہ تھیلی اٹھا لائے، یہودی نے کھول کر دیکھا تو اس میں اشرفیاں تھیں۔ یہ فضیلؒ کی کرامت تھی۔ یہودی نے ان سے معذرت کی اور انہیں

سارا واقعہ سنانے کے بعد ملازمت سے آزاد کر دیا۔

کسی کے ہاتھ میں مٹی کا سونا بن جانا محاورۃً استعمال ہوتا ہے۔ "فلاں شخص مٹی میں ہاتھ ڈالتا ہے تو وہ سونا بن جاتا ہے" یہ محاورہ ہر زبان میں بولا جاتا ہے اور اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ شخص بڑا اقبال مند ہے، کامیابی اس کے قدم چومتی ہے۔ یہودی نے اس محاورے کو لفظی معنی میں لیا اور حضرت فضیلؒ کو کڑی آزمائش میں ڈال دیا، مگر اللہ تعالیٰ نے حضرت فضیلؒ کے اخلاص کی لاج رکھی اور وہ محاورہ اپنے ظاہری مفہوم میں پورا ہو گیا۔

ڈکیتی کا جرم اور اس کی سزا

ڈکیتی بہت بڑا جرم ہے اور اس پر حد شرعی لگتی ہے۔ حضرت فضیلؒ اسی جرم میں ملوث تھے۔ یہ قرآن کی رُو سے قابل حد چھ جرموں (زنا، چوری، شراب نوشی، قتل، تہمت، رہزنی) میں سے ایک ہے اور ان چھ جرموں میں سے ایسا جرم ہے جس کی سزا سب سے زیادہ سخت ہے۔ قرآن کریم نے اس جرم کی سزا بیان کرتے ہوئے کہا ہے:

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا أَنْ يُقَتَّلُوا
أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْأَرْضِ
(المائدہ: ۳۳)

اس آیت میں حدِ شرعی اور سزائے قرآنی کی چار شکلیں بیان کر دی گئی ہیں۔ حاکم اسلام کو شریعت نے اختیار دیا ہے کہ وہ معاملہ کی نوعیت اور سنگینی کو دیکھ کر سزا جاری کرے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حکم سے جو سخت ترین سزا جاری کرائی وہ قبیلہ عکل و عرینہ کے رہزنوں کے لئے تھی۔ تفصیل کے لئے راقم کی کتاب "اسلام کا فوجداری نظام" ملاحظہ کر لی جائے۔ اس جرم میں خدا تعالیٰ نے یہ رعایت کی ہے کہ اگر مجرم گرفتاری سے پہلے توبہ کر لے تو اس کی سزا معاف کی جا سکتی ہے، گرفتاری کے بعد توبہ کی کوئی قیمت نہیں۔ اس وضاحت کے بعد حضرت فضیلؒ کی توبہ کا مقام و مرتبہ واضح ہو جاتا ہے۔○○

تنظیم اسلامی لاہور کے رفقاء کا

قصور میں ۲ روزہ دعوتی وتربیتی پروگرام

دو روزہ دعوتی و تربیتی پروگراموں کا مقصد ایک طرف تو یہ ہوتا ہے کہ شہر لاہور سے باہر نکل کر دین کی دعوت دوسرے شہروں کے باسیوں تک پہنچائی جائے تو دوسری طرف یہ مقصد بھی پیش نظر ہوتا ہے کہ رفقاء وقتی طور پر گھربار چھوڑ کر کسی دوسرے شہر میں جا کر ڈیرے ڈال دیں اور اپنی ذھنی' فکری اور نظریاتی پرورش کے ساتھ ساتھ عملی تربیت اور نظم کی پابندی کا سبق بھی تازہ کر کے گھروں کو لوٹیں۔ الحمد للہ کہ اس دو روزہ پروگرام سے یہ دونوں مقاصد بحسن و خوبی حاصل ہوئے۔

رفقاء نے ھدایت کے مطابق ۱۹ر اگست بروز بدھ مغرب کی نماز تنظیم اسلامی لاہور اور تحریک خلافت پاکستان کے مشترکہ دفتر ۴۔اے مزنگ روڈ کی قریبی مسجد میں ادا کی۔

رات نو بج کر بیس منٹ پر چونتیس رفقاء پر مشتمل قافلہ عازم قصور ہوا۔ محترم اشرف وصی صاحب اس قافلے کے امیر تھے۔ اشرف وصی صاحب دو روزہ دعوتی و تربیتی پروگراموں کے ناظم ہیں اور تمام دو روزہ پروگرام انہی کے زیر امارت تکمیل کو پہنچتے ہیں۔ اس قافلے کے نائب امیر محترم محمد یونس صاحب نقیب اعلیٰ زون نمبر۵ لاہور تھے۔ اشرف وصی صاحب نے سفر سے قبل ھدایات دیں کہ رفقاء سفر پر روانگی کی دعا پڑھ لیں اور اثنائے سفر صرف تین کام کریں:۱۔ کسی سے کچھ سیکھیں' ۲۔ کسی کو کچھ سکھائیں' ۳۔ ذکر الٰہی میں مصروف رہیں۔ اس طرح رات گیارہ بجے مزدا نے ہمیں ہماری عارضی جائے قرار قصور کی ایک مسجد دارالامان کے قریب اتار دیا (کہ اصل ٹھکانہ تو آخرت کا گھر ہی ہے وَاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ۔ اللہ ہمیں آخرت میں بہترین ٹھکانہ دار السلام عطا فرمائے۔ آمین!) یہ مسجد دفاتر بلدیہ قصور کے بالمقابل سابقہ اسلامیہ کالج کی عمارت سے ملحق ہے۔ رفقاء حوائج ضروریہ سے فارغ ہو کر سونے کی تیاریوں میں مشغول ہو گئے۔

صبح فجر کی نماز کے بعد محترم حافظ محمد اشرف صاحب نے سورۃ حم السجدۃ کے پانچویں رکوع کی ابتدائی آیات کے حوالے سے درس قرآن دیا اور داعی کے مطلوبہ اوصاف پر روشنی ڈالی۔

ساڑھے پانچ تا ساڑھے سات بجے صبح تک وقفہ رہا۔ ساڑھے سات بجے ناشتہ کیا گیا۔ آٹھ بجے صبح کی پہلی نشست کا آغاز ہوا جس میں ہمارے سینئر رفیق محترم محمد یونس صاحب نقیب اعلیٰ زون ۵ نے اپنا مفصل تعارف کروایا۔ آٹھ بج کر پینتالیس منٹ پر پانچ منٹ کا وقفہ دیا گیا تا کہ رفقاء وضو تازہ کر لیں۔ پھر سوال جواب کی صورت میں مذاکرہ ہوا جسے اشرف وصی صاحب نے کنڈکٹ کیا۔ اس سیشن کیلئے تین سوال منتخب کئے گئے تھے جو کہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ امیر محترم کی کتاب "منہج انقلاب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم" میں انقلاب کے چھ مراحل بیان کئے گئے ہیں' جن میں سے ایک مرحلہ "صبر محض" ہے۔ آپ یہ بتائیں کہ اجتماعیت میں اس مرحلے کی کیا نوعیت ہوتی ہے اور انفرادی طور پر اس مرحلے سے کس طرح گزرا جاتا ہے؟

۲۔ قرآن پاک کے مطلوبہ مومن کے اوصاف بیان کریں۔ نیز مومن کے ایمان کا ظہور اس کی زندگی میں کس طرح ہوتا ہے؟ یہ بھی بتائیں کہ موجودہ حالات میں ایسے افراد کو لوگ کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

۳۔ انقلابی فکر و نظریہ کیسا ہوتا ہے؟ انقلابی جماعت کیسی ہوتی ہے؟ نیز انقلابی فرد کے اوصاف بھی بیان کریں۔

مندرجہ بالا تینوں سوالوں کے جوابات دینے کیلئے شرط لازم یہ تھی کہ جوابات قرآن و سنّت اور تعاملِ صحابہؓ کی روشنی میں دیئے جائیں۔ دیگر مثالیں شرطِ لازم کو پورا کرنے کے بعد ہی دی جا سکتی تھیں۔ مذاکرہ شروع ہونے سے قبل مذاکرے میں شرکت کی ہدایات دی گئیں اور پانچ منٹ کا وقفہ دیا گیا تا کہ رفقاء اپنے ذہنوں کو مذکورہ بالا سوالات کیلئے تیار کر سکیں۔ اس کے بعد رفقاء کو ان سوالات پر اظہار خیال کیلئے کہا گیا۔ اس مذاکرے سے نئے رفقاء کو فکری غذا میسر آئی اور سینئر رفقاء کا فکر تازہ ہو گیا۔ یہ پروگرام پونے بارہ بجے تک جاری رہا۔ پونے بارہ تا سوا بارہ بجے تک وقفہ رہا۔

سوا بارہ بجے ٹی بورڈ مہم کی تیاری کی گئی۔ اس مہم کا بنیادی مقصد عوام الناس تک رات کو ہونے والے جلسۂ خلافت کی اطلاع پہنچانا اور اس میں شرکت کی دعوت دینا تھا۔ علاوہ ازیں ضمنی مقاصد میں مختصر خطابات کے ذریعے لوگوں پر خلافت کی برکات واضح کرنا اور ان خطابات کی مدد سے نئے مقررین تیار کرنا' نیز رفقاء کو نظم کا خوگر بنانا بھی تھا۔ ٹی بورڈ مہم کے لئے تین گروپ تشکیل دیئے گئے تھے۔ ایک کے امیر حافظ محمد اشرف صاحب' دوسرے کے سید احمد حسن صاحب جب کہ تیسرے کے امیر حافظ خالد محمود صاحب تھے۔ اشرف وصی صاحب نے امراء و رفقاء کو ہدایات دے کر روانہ کیا۔ ہر گروپ کے ساتھ تین تین مقررین بھی روانہ کئے

گئے۔ ان گروپوں نے شہر کے مختلف علاقوں میں ٹی بورڈز اٹھا کر گشت کیا ۔ رات کو ہونے والے جلسۂ خلافت کا ہینڈ بل تقسیم کیا اور مناسب مواقع پر رفقاء نے مختصر خطابات کئے ۔ تینوں گروپوں کے رفقاء نے کل اکیس جگہوں پر خطابات کئے' جن میں سے دو جگہوں پر راقم نے بھی خطابات کئے جو کہ پنجابی زبان میں تھے ۔ ٹی بورڈ مہم کے دوران لاؤڈ اسپیکروں کی کمی شدت سے محسوس کی گئی۔

ایک گروپ نے جلد اپنا راستہ طے کر لیا اور ظہر کی نماز اپنی عارضی جائے قرار مسجد دارالامان میں باجماعت پڑھی جب کہ باقی دونوں گروپوں نے نماز راستے کی مساجد میں ادا کی اور نماز کے بعد مساجد میں مختصر خطابات بھی کئے ۔ تمام رفقاء نے نماز ظہر کے بعد کھانا کھایا ۔

نماز عصر کے بعد تنظیم اسلامی کی گاڑی پر لاؤڈ اسپیکر لگا کر پورے شہر میں جلسۂ خلافت کے اعلانات کا اہتمام کیا گیا جب کہ اندرون شہر جہاں گاڑی کا جانا ممکن نہ تھا وہاں اعلانات کیلئے تین رفقاء کا گروپ تشکیل دیا گیا' جس کی امارت کی ذمہ داری راقم کے کاندھوں پر تھی ۔ ان رفقاء نے اندرون شہر کی تقریباً تمام گلیوں میں سائیکل پر لاؤڈ اسپیکر لگا کر اعلانات کئے ۔ اس طرح صبح کی ٹی بورڈ مہم کے دوران لاؤڈ اسپیکروں کی کمی کا ازالہ کر دیا گیا۔ نماز عصر کے بعد بھی ایک ٹی بورڈ مہم تشکیل دی گئی اور مصروف چوراہوں میں گشت کیا گیا' نیز جلسہ کے ہینڈ بل تقسیم کئے گئے۔

نماز مغرب کے بعد رفقاء جلسہ گاہ کی تیاریوں میں مصروف ہوگئے ۔ محترم ڈاکٹر عارف رشید صاحب بھی عشاء کی اذان سے قبل ہی تشریف لے آئے ۔ آپ ہی کو جلسہ خلافت سے خطاب کرنا تھا ۔ نماز عشاء کے بعد جلسہ کی کارروائی کا آغاز کیا گیا۔ اسٹیج سکریٹری کے فرائض حافظ خالد محمود صاحب نے ادا کئے جبکہ صدارت نوید احمد صاحب نے کی ۔ نوید احمد صاحب قصور کے پرانے رہنے والے ہیں ۔اگرچہ آپ ۱۹۶۵ء میں لاہور منتقل ہو گئے تھے لیکن قصور میں آپ کے جاننے والے اب بھی کافی تعداد میں ہیں ۔ بہرحال حافظ محمد اشرف صاحب کو تلاوت قرآن حکیم کیلئے بلایا گیا۔ آپ نے سورۃ النور کے ساتویں رکوع کی آیات کی تلاوت اور ان کا ترجمہ کر کے جلسہ کی کارروائی کا آغاز کیا۔ بعد ازاں محترم ڈاکٹر عارف رشید صاحب نے خطاب فرمایا۔ آپ نے اپنے خطاب کے حصہ اول میں سورۃ الصف ' سورۃ النور اور سورۃ سبا کی منتخب آیات کی روشنی میں ثابت کیا کہ روئے ارضی پر نظام خلافت قائم ہو کر رہے گا ' اور تین احادیث مبارکہ کو سامنے رکھتے ہوئے واضح کیا کہ نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے صریح پیشین گوئیاں فرمائی ہیں کہ آخری دور میں پورے کرۂ ارضی پر خلافت کا نظام قائم و نافذ ہو گا ۔خطاب کے دوسرے حصے میں آپ نے امت مسلمہ کی زبوں حالی پر روشنی ڈالی ۔ آپ نے

فرمایا کہ کہاں یہودی جو کہ آبادی کے اعتبار سے صرف ڈیڑھ کروڑ ہیں لیکن انہوں نے پوری دنیا کی اکانومی کو کنٹرول کیا ہوا ہے اور بے پناہ سیاسی اثر و رسوخ رکھتے ہیں اور کہاں مسلمان جو کہ آبادی کے اعتبار سے سوا ارب کے لگ بھگ ہیں لیکن ہر طرف اور ہر جہت میں ذلت و رسوائی گویا کہ ان کا مقدر بن چکی ہے۔ اس ذلت و رسوائی کی اصل وجہ آپ نے یہ بتائی کہ ہم حقیقی ایمان اور نور یقین سے محروم ہیں کیونکہ اللہ کا فرمان ہے کہ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ جبکہ خطاب کے تیسرے اور آخری حصہ میں آپ نے یہ واضح کہا کہ ہم دوبارہ سربلندی و عزت اسی صورت میں حاصل کر سکتے ہیں کہ ہم نظام خلافت کا احیاء کریں۔ پھر آپ نے نظامِ خلافت کی برکات اور اس کے خدوخال پر روشنی ڈالی۔ آپ کا خطاب پونے گیارہ بجے تک جاری رہا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر اور خیر کثیر عطا فرمائے۔ آمین!

جلسہ میں احباب کی تعداد ہماری توقع سے کم رہی جس کی فوری اور بنیادی وجہ یہ تھی کہ ٹی وی پر پاکستان اور انگلینڈ کی ٹیموں کے درمیان ایک روزہ کرکٹ میچ برطانیہ سے براہ راست دکھایا جارہا تھا۔ جبکہ دوسری وجہ یہ تھی کہ قصور کے باسی جلسے جلوس کے عادی نہیں ہیں بلکہ اہلِ قصور چار دیواری میں آٹھ دس کی تعداد میں اکٹھے ہو کر بیٹھتے ہیں اور بات چیت کرتے ہیں۔ بہرحال جو بھی احباب تشریف لائے انہوں نے آخر تک جم کر خطاب سنا۔

خطاب کے اختتام پر احباب میں تحریک خلافت کا لٹریچر تقسیم کیا گیا۔ جلسہ کے اختتام پر تمام رفقاء نے مل کر جلسہ گاہ کے انتظامات کو سمیٹا۔

جمعۃ المبارک کی صبح فجر کی نماز کے بعد حافظ خالد محمود صاحب کا درس قرآن تھا۔ آپ نے سورۃ الحدید کی منتخب آیات کی روشنی میں تذکیر بالآخرت کو موضوع درس بنایا۔ پھر راقم نے مختصر گفتگو رکھی۔ موضوع تھا آخرت کی فکر اور تعلق مع اللہ۔ اس کے بعد اشرف وصی صاحب نے اپنا مفصل تعارف کروایا۔ ایک روزہ اور دو روزہ پروگراموں میں ایک سلسلہ یہ بھی رکھا گیا ہے کہ ان پروگراموں میں کوئی ایک یا دو رفقاء اپنا مفصل تعارف کرواتے ہیں۔ محترم محمد یونس صاحب اور محترم اشرف وصی صاحب کا تعارف اسی سلسلے کی کڑی تھا۔ وقفہ کے بعد ساڑھے سات بجے رفقاء نے ناشتہ کیا۔ شیخ محمد نفیس قصوری صاحب نے ناشتے کا اہتمام کیا تھا۔ اگرچہ نفیس صاحب لاہور منتقل ہو چکے ہیں لیکن آپ کا تعلق قصور سے ہی ہے۔ اس طرح گویا کہ آپ نے ناشتہ کروا کر میزبان ہونے کا ثبوت فراہم کیا۔ رفقاء نے آپ کے لئے دعا کی کہ اَللّٰھم اَطْعِمْ مَنْ اَطْعَمَنَا وَاسْقِ مَنْ سَقَانَا آمین!

ناشتے کے بعد امیر محترم کی کتب "منہج انقلاب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم" اور "فرائض دینی کا جامع تصور" پر مبنی سوال جواب کا سیشن ہوا۔ اس دوران ایک بزرگ رات کے جلسہ خلافت سے

متأثر ہو کر تحریک خلافت کے بارے میں مزید معلومات حاصل کرنے تشریف لائے۔ حافظ خالد محمود صاحب نے ان سے بات چیت کی۔ سوال جواب کا سیشن اپنے آخری مراحل پر تھا کہ اعلان کیا گیا کہ رفقاء کو لاہور لے جانے کیلئے گاڑی آگئی ہے۔ سوال جواب کا سیشن مکمل کر کے رفقاء لاہور کی طرف واپس عازم سفر ہوئے لاہور پہنچ کر رفقاء نے جمعۃ المبارک کی نماز مسجد دارالسلام باغ جناح میں ادا کی اور امیر محترم کے خطاب جمعۃ المبارک سے مستفید ہوئے۔ جمعہ المبارک کی نماز کے بعد رفقاء اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہوگئے۔

الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ دوروزہ پروگرام کے دوران کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آیا، جس پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا جتنا بھی شکر بجالایا جائے کم ہے۔ مزید برآں مثبت طور پر دور روزہ پروگرام سے وہ تمام مقاصد بحسن و خوبی حاصل ہوئے جن کا تذکرہ ابتداء میں کیا جا چکا ہے۔ فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ !! (مرتب: محمد راشد)

تنظیمِ اسلامی حلقہ شرقی پنجاب کی دعوتی و تحریکی سرگرمیاں

(۱)

سیالکوٹ اور نارووال کے اضلاع میں چار روزہ دعوتی پروگرام

حلقہ شرقی پنجاب کے ضلع سیالکوٹ کی اہم تحصیل پسرور، نومولود ضلع نارووال، تحصیل شکر گڑھ اور گرد و نواح کے علاقے میں تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت کے تعارف اور توسیع دعوت کی غرض سے نائب ناظم حلقہ محمد اشرف ڈھلوں صاحب نے چار روزہ دعوتی پروگرام (۱۸ر تا ۲۱ر) جولائی تشکیل دیا۔ دعوتی قافلہ اپنے سفر پر ۱۸ر جولائی کی صبح کو روانہ ہوا۔ اس قافلہ میں نائب ناظم کے علاوہ مرزا ندیم بیگ، محمد بوٹا چیمہ، ظفر اللہ ڈھلوں اور محمد بلال شامل تھے۔ قافلہ کا سب سے پہلا پڑاؤ نارووال شہر تھا۔ یہاں تنظیم کے رفیق نور احمد گورایہ صاحب سے تنظیمی معاملات پر گفتگو ہوئی اور ان کے مشورے سے پروگرام ترتیب دئے گئے۔

نارووال سے یہ قافلہ ایک قصبہ علی آباد پہنچا۔ نماز ظہر کے بعد یہاں کی جامع مسجد میں مرزا ندیم بیگ نے نظام خلافت کی برکات کے موضوع پر تقریر کی۔ ۲۰ حاضرین میں سے ایک نوجوان

نے تحریک خلافت کی معاونت اختیار کی ۔ پروگرام کے بعد مقامی لوگوں سے ملاقاتیں کی گئیں ۔ نماز مغرب قریب ہی ایک اور قصبے جسڑ میں ادا کی گئی ' جہاں بیک وقت دو مساجد میں پروگرام رکھے گئے ۔ مرکزی جامع مسجد میں محمد اشرف ڈھلوں نے تقریر کی ' جبکہ دوسری جامع مسجد میں مرزا ندیم بیگ نے خطاب کیا ۔ مقامی لوگوں نے ان خطابات کے بارے میں اچھے تاثرات کا اظہار کیا اور آئندہ خطاب جمعہ کی دعوت بھی دی ۔ نماز عشاء کے بعد کا پروگرام گاؤں پرانا واہلہ میں طے تھا ' جہاں سے پاک بھارت سرحد ایک کلو میٹر کے فاصلے پر واقع ہے ۔ نماز عشاء کے بعد مسجد ہی میں پروگرام رکھا گیا تھا۔ مرزا ندیم بیگ نے اپنے پون گھنٹہ کے پر جوش خطاب سے حاضرین کے دلوں کو گرمایا ۔ انہوں نے نظام خلافت کی برکات گنوانے کے بعد لوگوں کو اس بات کی پر زور دعوت دی کہ وہ نظام خلافت کے قیام کی جدوجہد میں ہمارے دست و بازو بنیں ۔ لوگوں نے خطاب کو انتہائی توجہ سے سنا اور دعوت کے متعلق اچھے خیالات کا اظہار کیا ۔ دو افراد نے معاونت اختیار کی ۔ رات یہیں قیام کیا گیا۔ صبح نماز فجر کے بعد محمد بوٹا چیمہ نے سورۃ الحج کی ابتدائی آیات کا درس دیا۔ درس کے بعد ساتھی پاک بھارت سرحد دیکھنے کے لئے گئے ۔

پرانا واہلہ سے یہ تحریکی قافلہ شکر گڑھ کے اہم قصبہ کنجروڑ کے لئے روانہ ہوا ۔ وہاں پہنچ کر جامع مسجد توحید اہلحدیث میں پڑاؤ ڈالا ۔ مسجد کے نوجوان خطیب حافظ عبداللہ صاحب نے والہانہ طریقے سے قافلہ کو خوش آمدید کہا۔ نماز ظہر کے بعد اہم لوگوں سے ملاقاتیں ہوئیں ۔ ایک مقامی عالم دین مولانا دین محمد صاحب سے ' جو فاضل دیو بند ہیں ' ملاقات ہوئی تو وہ خلافت کا نام سنتے ہی وجد میں آگئے۔ انہوں نے کہا کہ شکر ہے کہ اس دور میں کہیں سے خلافت کی ندا بلند ہوئی ہے ۔ بعد نماز مغرب انہی کی مسجد میں دعوتی پروگرام رکھا گیا جس میں مرزا ندیم بیگ نے گفتگو کی ۔ نمازی حد درجہ متاثر ہوئے اور اگلی صبح درس قرآن اور آئندہ کسی جمعہ کو خطاب کی دعوت دی ۔ نماز عشاء کے بعد اسی مسجد میں جلسہ خلافت ہوا ' جس میں جناب مولانا عبدالمجید صاحب نے بھی خطاب کیا ۔ تفصیلی خطاب محمد اشرف صاحب نے کیا۔ مولانا عبدالمجید صاحب نے نظام خلافت کے قیام اور غلبہ دین کی جدوجہد کے لئے اپنا نام تحریک خلافت کے معاونین کی فہرست میں شامل کروایا ۔ مقامی خطیب حافظ عبداللہ صاحب اور حافظ یحیٰ صاحب نے بھی تحریک کی معاونت کا فارم پر کیا ۔ اگلے روز فجر کی نماز کے بعد دوسری مقامی مسجد میں طے شدہ پروگرام کے مطابق درس قرآن ہوا۔مرزا ندیم بیگ نے سورۃ الحدید کی آیت ۲۵ کا درس دیا ۔ درس کے بعد لوگوں سے ملاقاتیں کی گئیں اور نظام خلافت کی دعوت پیش کی گئی ۔ ایک بزرگ نے تحریک خلافت کی باقاعدہ معاونت اختیار کی ۔

۲۰ جولائی کو کنجروڑ سے یہ قافلہ تڑالہ گاؤں کے لئے روانہ ہوا ۔ کنجروڑ سے ہمارے اس

دعوتی و تحریکی قافلہ میں معاون تحریک مولانا عبدالمجید صاحب (جو ڈسکہ کے نواحی قصبہ بمبانوالہ میں ایک مدرسہ کے مہتمم ہیں)، حافظ عبداللہ صاحب اور حافظ یحیٰی صاحب بھی شامل ہوگئے تھے۔
نڈالہ پہنچ کر مقامی مسجد میں اشرف ڈھلوں نے تحریک کی دعوت پیش کی۔ مزید برآں مسجد سے باہر گاؤں کے نوجوانوں سے ندیم بیگ اور ظفراللہ نے ملاقاتیں کیں اور لٹریچر تقسیم کیا۔

نڈالہ سے واپسی پر پھر علی آباد آئے۔ یہاں نماز ظہر کے بعد مرزا ندیم بیگ نے دعوتی گفتگو کی، جس کے نتیجے میں دو افراد نے تحریک کی معاونت اختیار کی۔ علی آباد سے شہر شکرگڑھ پہنچ کر لٹریچر تقسیم کیا گیا۔ نماز مغرب تک یہ دعوتی قافلہ قصبہ کائیاں پہنچ گیا، جہاں تنظیم کے ساتھی نور احمد صاحب رہائش پذیر ہیں۔ نماز مغرب کے بعد یہاں کی بڑی مسجد میں جلسہ ہوا، جس میں مرزا ندیم بیگ نے خطاب کیا۔ چالیس کی حاضری میں سے چھ پڑھے لکھے نوجوانوں نے اپنے آپ کو تحریک کے تعاون کے لئے پیش کیا۔ رات یہیں قیام کیا۔ نماز فجر کے بعد دوسری مسجد میں محمد اشرف صاحب نے درس حدیث دیا --- اپنے چار روزہ دعوتی و تحریکی دورے کے آخری روز ہمارا قافلہ پسرور کے لئے روانہ ہوا۔ پسرور میں تنظیم کے نوجوان رفیق پروفیسر منیر احمد بٹ صاحب سے ملاقات ہوئی، جن سے تنظیمی معاملات کے ضمن میں گفتگو ہوئی اور مقامی حالات کا جائزہ لیا گیا۔ انہوں نے آئندہ پسرور میں تنظیمی کام تیز کرنے کی جدوجہد کا بھرپور عزم کیا۔ اس کے بعد یہ پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا۔ اس دورہ میں ۱۳ افراد نے معاونت فارم پر کئے۔

———— (۲) ————

منڈی بہاؤالدین میں ایک روزہ دعوتی پروگرام

منڈی بہاؤالدین کا شمار بھی انہی شہروں میں ہوتا ہے جہاں تنظیم اسلامی اور تحریک خلافت کی دعوت صحیح طریقے سے نہیں پہنچ سکی۔ چنانچہ گجرات کے رفقاء کی معاونت سے یہاں دو روزہ (۲۳۔ ۲۴ جولائی) پروگرام ترتیب دیا گیا۔ اس پروگرام میں مرزا ندیم بیگ اور ظفراللہ کے علاوہ گجرات کے ساتھی پروفیسر اشرف ندیم، محمد حسین، محمد یونس، محمد احسان، احمد علی بٹ ایڈووکیٹ، حاجی محمد اقبال، مقصود احمد اور محمد اشرف گل شریک تھے۔ ۲۳ر جولائی کو ساڑھے دس بجے دن قافلہ منڈی بہاؤالدین پہنچ گیا۔ سب سے پہلے مقامی تنظیمی ساتھی قاضی احسان اللہ سے ملاقات ہوئی۔ قافلہ کا قیام جامعہ نورالہدیٰ محلہ صوفی پورہ میں تھا۔ جامعہ کے مہتمم جناب مولانا ارشاد اللہ صدیقی صاحب نے پرتپاک طریقے سے استقبال کیا اور دوران قیام ہر ممکن تعاون فرمایا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس تعاون علی البر کی بھرپور جزاء عطا فرمائے۔ نماز ظہر کے

بعد شہر کے بازاروں میں خطاب جمعہ سے متعلق ہینڈ بل تقسیم کئے گئے۔ اہم مساجد میں بھی خطاب جمعہ کے اشتہارات چسپاں کئے گئے۔ اس کے علاوہ مقامی علماء کرام سے ملاقاتیں کی گئیں۔ نماز مغرب کے بعد شہر کی مرکزی جامع مسجد اہلحدیث میں دعوتی پروگرام ہوا جس میں دعوتی گفتگو مرزا ندیم بیگ نے کی۔ اسی وقت دوسرا پروگرام جامع مسجد نور الہدیٰ میں ہوا جس میں محمد اشرف ڈھلوں نے "فرائض دینی کا جامع تصور" کے حوالے سے خطاب کیا۔ کچھ لوگوں سے ملاقاتیں بھی کی گئیں۔

اگلے روز جمعۃ المبارک کی صبح نماز فجر کے بعد محمد اشرف ڈھلوں نے سورۃ التوبہ کی آیات کے حوالہ سے نہی عن المنکر کی اہمیت کے متعلق درس قرآن دیا۔ نماز جمعہ سے قبل محمد حسین صاحب کچھ ساتھیوں سمیت قریبی محلوں میں دعوت کے لئے گئے۔ نماز جمعہ کے اجتماع سے مرزا ندیم بیگ نے خطاب کیا اور نہایت تفصیل کے ساتھ نظام خلافت کے خدو خال اور اس کے قیام کے طریق کار کے متعلق اظہار خیال کیا۔ مسجد میں نمازیوں کی تعداد اڑھائی سو سے زائد تھی، جن میں سے اٹھارہ افراد نے تحریک کی باقاعدہ معاونت اختیار کی۔ نماز جمعہ کے بعد سوال و جواب کی طویل نشست ہوئی، جس میں محمد اشرف صاحب نے سوالات کے جوابات دئے۔ نماز عصر سے قبل یہ قافلہ منڈی بہاؤ الدین سے واپسی کے لئے روانہ ہوا۔

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کی ایک اہم تالیف

راہِ نجات

سورۃ العصر کی روشنی میں

جو ایک نہایت وقیع تحریر اور ایک حد درجہ جامع تقریر پر مشتمل ہے
کا نیا ایڈیشن نئی آب و تاب اور عمدہ کتابت و طباعت کے ساتھ شائع ہو گیا ہے

قیمت اعلیٰ ایڈیشن: ۳۰/- روپے (مضبوط دیدہ زیب جلد، سفید کاغذ)

" اشاعت عام: ۱۰/- " (غیر مجلد، دبیز اخباری کاغذ)

شائع کردہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور، ۳۶- کے، ماڈل ٹاؤن،

بقیہ: بحث و نظر

یہ گھڑی محشر کی ہے، تو عرصۂ محشر میں ہے
پیش کر غافل عمل کوئی اگر دفتر میں ہے!

کے مصداق میدانِ عمل میں کود کر سلطنتِ خدا داد پاکستان میں اس نظام عدلِ اجتماعی کے قیام کی سعی و جہد ضروری ہے جو ہمارے دین کا بنیادی تقاضا ہی نہیں اس ملک کے بقاء و استحکام کا واحد ضامن بھی ہے ـــــ اور اگر ایسا کرنا ہے تو پھر واقعہ یہ ہے کہ "منہج انقلابِ نبویؐ کے سوا کوئی اور راستہ موجود نہیں ہے ـــ لہٰذا ع "چلے آؤ مسلمانو! یہی گلزارِ جنت ہے!"

بقیہ: الہدیٰ

ان شاء اللہ العزیز جب ہم سورۃ المنافقون کا مطالعہ کریں گے تو ہر ہر آیت ایک بالکل صاف اور شفاف موتی کی طرح سامنے آئے گی، ہر ہر حرف خود بولتا محسوس ہو گا اور آیات کے مابین ربط و تعلق از خود نمایاں ہوتا چلا جائے گا۔

یہ بات اس سے پہلے بھی عرض کی جا چکی ہے کہ قرآن مجید کی سورتیں بالعموم جوڑوں کی شکل میں ہوتی ہیں۔ ایک ہی مضمون کا ایک رخ ایک سورۃ میں اور اس کا دوسرا رخ اس جوڑے کی دوسری سورۃ میں زیر بحث آتا ہے۔ یہاں نوٹ کیجئے کہ سورۃ المنافقون کے متصلاً بعد سورۃ التغابن ہے۔ سورۃ التغابن کا موضوع ہے ایمان، جبکہ سورۃ المنافقون حقیقتِ نفاق سے بحث کرتی ہے۔ نفاق ضد ہے ایمان کی۔ گویا ایک ہی تصویر کے مثبت رخ کا بیان سورۃ التغابن میں ہے اور اس کے منفی رخ کا ذکر سورۃ المنافقون میں ہے اور اسطرح ایک مضمون اپنی تکمیل کو پہنچتا ہے۔

وَاٰخِرُ دَعوانا اَنِ الحمدُللہ ربّ العالمین○

بقیہ: درس قرآن

ہمیشہ باقی رہے گا۔

تو اطاعت کے ضمن میں میں نے یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی ہے کہ اگرچہ اطاعت اصلاً اللہ کی ہے لیکن عملاً رسولؐ کی ہے۔ پھر یہ کہ اللہ کے رسول کی یہ اطاعت ہر حکم میں واجب ہے، وہ حکم وحی جلی پر مبنی بھی ہو سکتا ہے اور وحی خفی پر بھی۔ البتہ رسولؐ کے حکم اور ان کے مشورے اور رائے میں فرق کو ملحوظ خاطر رکھنا ہو گا ـــــ

(جاری ہے)

ضرورت رشتہ

لاہور میں مقیم متوسط، دیندار، تعلیم یافتہ، اعوان گھرانہ کی ۲۳ سالہ خوب صورت وسیرت
بی کام بیٹی کے لئے موزوں رشتہ درکار ہے ---- رابطہ کے لئے
غلام حسن ملک معرفت ماہنامہ میثاق، ۳۶۔کے، ماڈل ٹاؤن لاہور

KHALID TRADERS

IMPORTERS – INDENTORS – STOCKISTS &
SUPPLIERS OF WIDE VARIETY OF BEARINGS,
FROM SUPER – SMALL TO SUPER – LARGE

AUTHORIZED AGENTS NTN BEARINGS

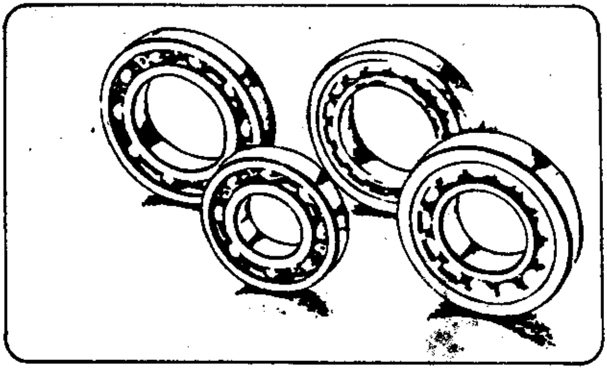

PLEASE CONTACT

TEL : 7732952-7735883-7730593
G.P.O. BOX NO. 1178, OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI-74200 (PAKISTAN)
TELEX : 24824 TARIQ PK CABLE : DIMAND BALL FAX : 7734776

FOR AUTOMOTIVE BEARINGS : Sind Bearing Agency 64 A-65,
Manzoor Square Noman St. Plaza Quarters Karachi-74400 (Pakistan)
Tel : 7723358-7721172

LAHORE : (Opening Shortly) Amin Arcade 42, Brandreth Road, Lahore-54000 Ph : 54169

GUJRANWALA : 1-Haider Shopping Centre, Circular Road, Gujranwala Tel : 41790-210607

WE MOVE FAST TO KEEP YOU MOVING

ہم مغرب سے مقابلہ کرتے ہیں

....اور اُن ہی کی سرزمین پر!

ہم اپنے گارمنٹس، بیڈلنن اور ٹیکسٹائل کی دیگر مصنوعات مغربی ممالک، اسکینڈی نیوین ممالک، شمالی امریکہ، روس اور مشرقِ وسطیٰ کے ملکوں کو برآمد کرتے ہیں اور ہماری برآمدات میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔ لیکن بیرونی منڈیوں میں اپنی ساکھ برقرار رکھنے کے لئے ہمیں انتھک محنت کرکے اپنی فنی مہارت اور معلومات میں مستقل اضافہ کرتے رہنا پڑتا ہے۔ ایسی محنت جو ہمیں رُک کر دم نہیں لینے دیتی، ایسی محنت جو ہماری کارکردگی کے معیار کو اور بلند کرتی ہے، ایسی محنت جو کوالٹی، ڈیزائن اور پابندیٔ وقت کے سلسلے میں کرم فرماؤں کے مطالبات اطمینان بخش طریقے پر پورا کرنے کا ہمیں اہل بناتی ہے۔

Made in Pakistan
Registered Trade Mark

Jawad®

جہاں شرط مہارت
وہاں جیت ہماری

معیاری گارمنٹس تیار کرنے اور برآمد کرنے والے

ایسوسی ایٹڈ انڈسٹریز (گارمنٹس) پاکستان (پرائیویٹ) لمیٹڈ

IV/C/3-A ناظم آباد، کراچی - 18 - پاکستان - فون 610220-616018-628209

کیبل "JAWADSONS" ٹیلیکس 24555 JAWAD PK فیکس 610522 (92-21)

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

REGD NO.L 7360
VOL. 41 NO. 9
SEP. 1992

سرفی کول کف سیرپ قدرتی جڑی بوٹیوں کے اجزائے موثرہ کی وجہ سے ہر قسم کی کھانسی میں فوری اثر کرتا ہے۔ سرفی کول چوسنے والی خوش ذائقہ ٹیبلٹس گلے کی خراش اور کھانسی میں آرام پہنچاتی ہیں۔ بار بار اٹھنے والی کھانسی میں بھی مفید ہیں۔ بہتر نتائج کے لیے سرفی کول کف سیرپ کے ساتھ سرفی کول ٹیبلٹس کا استعمال کریں۔
خاندان کے ہر فرد کے لیے مفید سرفی کول جس کا باقاعدہ استعمال موسمی اثرات سے محفوظ رکھتا ہے۔

تحقیق کی روایت ۔ معیار کی ضمانت